بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

نضر اللہ امرءً اسمع منا حدیثًا فحفظه حتی یبلغه

بانی

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

ایک من گھڑت روایت کی تحقیق

ماہ شوال کے چھ روزے

اذان سے متعلق بعض مسائل

محدث العصر اور مسئلہ تدلیس

صدقے کی اقسام اور اس کے اجر عظیم کا بیان

مکتبۃ الحدیث

حضرو، اٹک : پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

120

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو

نضر اللہ امرءً اسمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 11 | شوال ۱۴۳۵ھ اگست ۲۰۱۴ء | شمارہ: 8

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ : 30 روپے

سالانہ : 500 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد الاثری

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0301-8556571

احسن الحدیث
حافظ ندیم ظہیر

تفسیر سورۂ مائدہ (آیت:۶)

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو، اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولیا کرو) اور اگر جنبی ہو تو غسل کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔ پس (پاک مٹی سے) اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو، اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کرنا چاہتا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے، تا کہ تم شکر کرو۔'' (۵/ المائدۃ : ۶)

فقہ القرآن:

۱: ایک طویل حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کسی سفر کے موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا جس کی تلاش میں صبح ہوگئی، جبکہ لوگوں کے پاس پانی بھی نہیں تھا تو یہ آیتِ تیمّم نازل ہوئی۔

(صحیح البخاري : ۳۳٤، صحیح مسلم: ۳٦۷)

۲: اس آیت میں درج ذیل احکام صادر ہوئے ہیں: ☆ نماز کے لئے وضو کرنا ☆ جنابت لاحق ہونے کی وجہ سے غسل کرنا ☆ اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرلینا۔

۳: بعض کے نزدیک جب بھی نماز کا قصد ہو تو وضو کرنا لازم ہے، اگرچہ وہ پہلے سے باوضو ہو اور ان کی دلیل مذکورہ بالا آیت ہی ہے، لیکن صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ایک وضو

سے کئی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں اور جب تک وہ بے وضو نہ ہو دوبارہ وضو کرنا فرض نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھی تھیں۔

دیکھئے: صحیح مسلم (۲۷۷)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہر نماز کے لیے وضو کرنا، خود ان کے نزدیک بھی مستحب ہی ہے۔ دیکھئے: سنن أبي داود (٤٨) وسنده حسن۔

۴: ﴿وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ امام بغوی نے فرمایا: ''أي مَعَ الْمرَافِقِ، یعنی کہنیوں سمیت (دھویا جائے) كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ﴾ (النسآء: ۲) أي مَعَ أَموَالِكُمْ'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ان کے اموال اپنے مالوں سے ملا کر نہ کھاؤ۔'' (تفسير بغوي ۲/ ۱۵)

۵: ﴿وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ یعنی وضو میں اپنے سر کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھولیا کرو۔

جمہور مفسرین کے نزدیک ﴿اَرْجُلَكُمْ﴾ کو لام کے نصب کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ جس سے یہ ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ﴾ پر عطف ہوگا یعنی ''فَاغْسِلُوْا اَرْجُلَكُمْ'' اپنے پاؤں دھویا کرو۔

بعض علماء کے نزدیک قراءة الجر ﴿اَرْجُلِكُمْ﴾ موزوں اور جرابوں پر محمول ہے یعنی جرابوں کی صورت میں پاؤں پر مسح کیا جا سکتا ہے لیکن بصورت دیگر پاؤں دھونا واجب ہیں۔

دیکھئے: كفاية الأخيار في حل غاية الإختصار لأبي بكر تقى الدين (ص ۲٦)

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت کے بعد فرمایا: '' سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَدُلُّ عَلَى مَعْنَى مَا أَرَادَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ. '' رسول اللہ ﷺ کی سنت اس معنی کو واضح کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقصود ہوتا ہے۔ (الأم للشافعي ۷/ ۱۸)

اور احادیث وسنن سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ وضو میں اپنے پاؤں دھویا کرتے تھے۔

یحییٰ رحمہ اللہ نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے گزارش کی، آپ مجھے عملاً دکھا سکتے

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو کیا کرتے تھے؟ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، پھر انھوں نے وضو کے لیے پانی منگوایا تو انھوں نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر دو دفعہ اپنے ہاتھوں کو دھویا، پھر تین بار کلی کی اور ناک کو جھاڑا، پھر اپنا چہرہ تین بار دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو دو بار دھوئے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا، ہاتھوں کو آگے بھی لائے اور پیچھے بھی لے گئے (مسح) سر کے اگلے حصے سے شروع کیا، پھر ہاتھوں کو گدی تک لے گئے، پھر اسی جگہ لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا، پھر (آخر میں) اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

(صحيح البخاري : ۱۸۵ ، صحيح مسلم: ۲۳۵ ، سنن ابن ماجه : ۴۳۴ واللفظ له)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو وضو کرتے دیکھا، ان کی ایڑیاں (خشک رہ جانے کی وجہ سے) چمک رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ أَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ)) ''ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ وضو (اچھی طرح) مکمل کیا کرو۔'' (صحيح مسلم: ۲۴۱)

حکم بن عتیبہ (تابعی) نے فرمایا: '' مَضَتِ السُّنَّةُ مِنْ رَسُوْلِ ﷺ وَ الْمُسْلِمِيْنَ ، يَعْنِيْ بِغَسْلِ الْقَدَمَيْنِ . '' (وضو میں) پاؤں دھونا، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی متواتر سنت میں سے ہے۔ (مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۲۶ وسنده حسن)

امام ابن المنذ ر رحمہ اللہ نے فرمایا: عام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے موزے (جرابیں) نہ پہنی ہوں اس پر (وضو میں) ٹخنوں تک پاؤں دھونا واجب ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ (کی احادیث) اور آپ کے صحابہ کے آثار ثابت ہیں۔ (الأوسط ۱/ ۴۱۲)

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (صحیح مسلم: ۸۳۲) سے استدلال کرتے ہوئے امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' وَفِيْ ذَلِكَ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَمَرَ بِغَسْلِهِمَا '' اس حدیث میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (وضو میں) دونوں پاؤں دھونے کا حکم دیا ہے۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقي ۱/ ۱۸۹ ح ۳۳۸، طبع دارالحديث)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا: '' فَدَلَّ عَلَى أَنَّ الْقُرْآنَ

يَأْمُرُ بِالْغَسْلِ . " یہ حدیث دلیل ہے کہ قرآن مجید میں (پاؤں) دھونے کا حکم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ٥/ ١١٦)

آپ نے فرمایا: "شیعوں میں سے جن لوگوں نے جرابوں پر مسح کی طرح پیروں پر بھی مسح (درست) قرار دیا، انھوں نے غلطی کی اور لوگوں کو گمراہ کیا۔" (تفسیر ابن کثیر ٥/ ١٠٩۔١١٠)

نیز فرمایا: " (وضو میں پاؤں دھونا) نبی کریم ﷺ سے متواتر ثابت ہے، لیکن رافضی ان تمام دلائل کی مخالفت کرتے ہیں۔ دراصل اس مسئلے میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔" (تفسیر ابن کثیر ٥/ ١٢٠)

٦: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ﴾ ہر جنبی شخص پر غسل فرض ہے، اِلا یہ کہ پانی میسر نہ ہو یا وہ کسی بیماری میں مبتلا ہو۔ اس صورت میں مٹی کے ساتھ تیمّم کیا جا سکتا ہے۔ اور خود نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس طرح تیمّم کر کے دکھایا:

آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے، ان میں پھونک مار کر انھیں چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیرا۔ (صحيح بخاري: ٣٤٣، صحيح مسلم: ٣٦٨، سنن أبي داود: ٣٢٢، سنن الترمذي: ١٤٤، سنن النسائي: ٣١٣، سنن ابن ماجه: ٥٦٩)

٧: ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ پاک مٹی پانی کے قائم مقام ہے، جو پاکیزگی پانی سے حاصل کی جاتی ہے، وہی طہارت و نظافت پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

٨: ﴿ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ ﴾ اللہ تعالیٰ انسانوں کو تکلیف مالا یطاق سے دوچار نہیں کرتا بلکہ ان کی مجبوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے انھیں رخصتیں عطا کر دیتا ہے، جیسا کہ مریض کو اگر پانی استعمال کرنے سے تکلیف بڑھ جانے کا خدشہ ہو تو وہ تیمّم کر سکتا ہے وغیرہ۔

٩: ﴿ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ اتمام نعمت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ جسم کی پاکیزگی کے احکام بھی صادر فرمائے ہیں، لہٰذا احسانِ الٰہی کے بدلے میں انسان کو اس کا شکر گزار بندہ بن کے رہنا چاہیے۔

اضواء المصابیح

فقه الحديث

٤٧٦) وَعَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ، فَمَسَحَ رَأْسِيْ، وَدَعَالِيْ بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، فَشَرِبْتُ مِنْ وَّضُوْئِهٖ، ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ، فَنَظَرْتُ اِلٰى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سائب بن یزید (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: مجھے میری خالہ نبی ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا بھانجا درد (کی بیماری) میں مبتلا ہے تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دُعا فرمائی، پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کا پانی پیا، پھر میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان ایک پرندے کے انڈے کی مثل مہرِ نبوت دیکھی۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۹۰) صحیح مسلم (۱۱۱/ ۲۳۴۵)

فقہ الحدیث:

۱: حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: امام بخاری رحمہ اللہ ان احادیث سے استدلال کر کے اس شخص کے قول کا رَد کرنا چاہتے ہیں جو وضو کے مستعمل پانی کو نجس کہتا ہے۔ (فتح الباري ۱/ ۵۰۸)

۲: امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک جماعت کے نزدیک مستعمل پانی کے ساتھ وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ پانی پاک ہے۔ (الأوسط ۱/ ۳۹۶)

۳: مریض کے ساتھ شفقت سے پیش آنا اور اس کے لیے دُعا کرنا مسنون ہے۔

۴: مہرِ نبوت کا ثبوت جو کہ آپ ﷺ کے کندھوں کے مابین تھی۔

الفصل الثاني

۴۷۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمَآءِ يَكُوْنُ فِى الْفَلَاةِ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا يَنُوْبُهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَ السِّبَاعِ ، فَقَالَ: **((إِذَا كَانَ الْمَآءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ))**. رَوَاهُ اَحْمَدُ، وَ اَبُوْدَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَالنَّسَائِيُّ، وَالدَّارِمِيُّ، وَابْنُ مَاجَهَ. وَفِى أُخْرٰى لِأَبِى دَاوُدَ: **((فَإِنَّهُ لَا يَنْجُسُ))**.

سیدنا عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے پانی کے بارے میں پوچھا گیا جو جنگل میں ہو اور اس پر چوپائے اور درندے وارد ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب پانی دو مٹکوں کے برابر ہو تو وہ نجاست قبول نہیں کرتا۔“

اسے أحمد (۲/ ۲۷ح ۴۸۰۳) أبو داؤد (۶۳) ترمذي (۶۷) نسائي (۱/ ۴۶ح ۵۲) دارمي (۱/ ۱۸۷ح ۷۳۸) اور ابن ماجه (۵۱۷) نے بیان کیا ہے اور ابوداود ہی میں ہے کہ ”وہ نجس نہیں ہوتا۔“

تحقیق الحدیث: **یہ حدیث صحیح ہے۔**

فقہ الحدیث:

۱: **قلتین:** یہ قلۃٌ کا تثنیہ ہے یعنی دو مٹکے اور اس کی جمع قِلالٌ ہے۔ دو قلوں میں تقریباً پانچ مشکیں پانی آتا ہے۔ عربی وزن کے اعتبار سے پانچ سو رطل اور ہمارے ہاں مروج وزن کے مطابق تقریباً پانچ مَن دس سیر پندرہ چھٹانک ہے۔

لَمْ يَحْمِلِ: حَمَلَ يَحْمِلُ باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے۔ عام طور پر اس کا استعمال بوجھ اٹھانے کے لئے ہوتا ہے، لیکن یہاں اس سے مراد ”لَمْ يَقْبَلْ“ یعنی قبول نہیں کرتا۔

۲: بعض علماء نے حدیث کے مفہومِ مخالف سے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر پانی دو قلوں سے کم ہو تو نجاست گرتے ہی ناپاک ہو جائے گا، اگرچہ اوصافِ ثلاثہ میں سے کوئی وصف پایا جائے یا نہ پایا جائے اور جب پانی دو قلے یا اس سے زیادہ ہو، پھر نجاست گرنے کے بعد اوصافِ ثلاثہ میں سے کوئی وصف دیکھا جائے گا۔ ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ پانی

قلیل ہو یا کثیر نجاست گرنے کی صورت میں اوصافِ ثلاثہ کو دیکھا جائے گا۔ اگر ایک وصف بھی پایا گیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اسی پر اجماع ہے۔ دیکھئے فوائد حدیث سابق: ۴۷۷

۳: یہ واضح ہے کہ درج بالا حدیث میں مفہوم دلیل ہے۔ جبکہ اصولِ فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ منطوق اور مفہوم میں تعارض کی صورت میں منطوق کو ترجیح دی جائے گی، لہٰذا مفہوم کے مقابلے میں اجماع ہی کو ترجیح ہے۔

۴: امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک جماعت کے نزدیک (یہ مسلّم) ہے کہ پانی قلیل ہو یا کثیر اُسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی، اِلا یہ کہ اُس پر نجاست کا ذائقہ، رنگ یا بُو غالب آ جائے۔ یہی قول یحییٰ القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی کا ہے۔ (الأوسط ۱/ ۲۷۳)

۵: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس موضوع پر جامع بحث کی ہے۔

دیکھئے: تهذيب السنن (۱/ ۵٦ و نسخة أخرىٰ ص ۷۷۔ ۸۲)

٦: علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بلا شبہ پانی ناپاک نہیں ہوتا اِلا یہ کہ کسی نجاست کے گرنے سے (رنگ بُو یا ذائقہ) بدل جائے۔ اگر متغیر نہ ہو تو پانی پاک ہے، قلیل ہو یا کثیر۔ (فتاویٰ سعدية ۷/ ۸۹)

۴۷۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ، وَهِیَ بِئْرٌ یُلْقٰی فِیْهَا الْحِیَضُ، وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ، وَالنَّتْنُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ)). رَوَاهُ اَحْمَدُ، وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ.

سیدنا ابو سعید الخدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا ہم بضاعہ کے کنویں سے وضو کر لیا کریں؟ اور وہ کنواں ایسا ہے کہ اس میں حیض کے چیتھڑے، کتوں کا گوشت اور گندگی ڈال دی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پانی پاک ہے اُسے کوئی چیز نجس (ناپاک) نہیں کرتی۔“

اسے أحمد (۳/ ۳۱ ح ۱۱۲۷۷) ترمذي (٦٦ وقال: حديث حسن) أبو داؤد (٦٦) اور نسائي (۱/ ۱۷٤ ح ۳۲۷) نے بیان کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

فقہ الحدیث:

ا: اس حدیث سے اہم قاعدہ: ''الأصل فی الماء الطهارة'' کا ثبوت ملتا ہے، یعنی پانی اصل میں پاک ہے۔

۲: امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ اگر اس میں نجاست گر جائے اور اس سے پانی کا رنگ، بُو اور ذائقہ بدل جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ (الأوسط ۱/ ۲۶۸)

۳: اجماع سے سنت کی تخصیص جائز ہے، مثلاً: مذکورہ عام حدیث کو درج بالا اجماع سے خاص کیا گیا ہے۔

۴: بعض علماء کے نزدیک ''الماء'' میں الف لام عہد کا ہے جس سے سائل کے سوال کے مطابق خاص بضاعہ کا کنواں مراد ہے۔ بعض علماء کے نزدیک الف لام جنس کا ہے جس سے ہر قسم کا پانی مراد ہے، اِلا یہ کہ اوصافِ ثلاثہ میں سے کوئی وصف پایا جائے۔

ہمارے نزدیک ثانی الذکر قول ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

۵: اس پر اجماع ہے کہ گدلے پانی سے، جس میں نجاست نہ گری ہو وضو کرنا جائز ہے۔

(كتاب الإجماع لابن المنذر: ۱۰)

۶: اگر پاک چیز کے ذریعے سے پانی میں تغیر آ جائے تو پانی پاک ہی رہے گا۔

۴۷۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ، وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَآءِ، فَاِنْ تَوَضَّأْنَا بِهٖ عَطِشْنَا، اَفَنَتَوَضَّأُ بِمَآءِ الْبَحْرِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهٗ، وَالْحِلُّ مَيْتَتُهٗ)). رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ.

سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ (پینے کے لیے) تھوڑی مقدار میں پانی لے جاتے ہیں۔ اگر ہم اُس سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں، کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا

کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردار حلال ہے۔''

اسے مالك (الموطأ ۱/ ۲۲ح ۴۰) ترمذي (۶۹ وقال: حسن صحيح) نسائي (۱/ ۵۰ح ۵۹) ابن ماجه (۳۸۶) دارمي (۱/ ۱۸۶ ح ۷۳۵) اور أبو داؤد (۸۳) نے بیان کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ عظیم حدیث ہے، اصولِ طہارت میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے، بہت زیادہ احکام اور اہم قواعد پر مشتمل ہے۔

(البدر المنير ۱/ ۳۷۴) نیز دیکھئے: المجموع للنووي (۱/ ۸۴)

۲: سمندر یا دریا کا پانی پاک اور پاک کرنے والا ہے۔

۳: سمندری جانور جو سمندر کے باہر زندہ نہ رہ سکتے ہوں حلال ہیں، خواہ سمندر ہی میں مر جائیں۔

۴: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حصولِ علم کے لیے بھرپور تگ و دو کرتے تھے اور وہ اس کے حریص تھے۔

۵: کسی مسئلے کا علم نہ ہو تو عمل سے پہلے اہل علم سے پوچھ لینا چاہیے۔

۶: رسول اللہ ﷺ کا بہترین طرزِ تعلیم اُمت کے لیے کمال خیر خواہی اور تعلیم و تزکیہ کی شدید خواہش پر دلالت کناں ہے۔

۷: یہ محاسنِ فتویٰ میں سے ہے کہ اتمامِ فائدہ کی غرض سے جس چیز کے بارے میں پوچھا گیا ہے اس سے زائد جواب دیا جائے اور افادۂ علم کے لیے وہ بھی بتا دیا جائے جس کے بارے میں پوچھا نہیں گیا۔

۸: سمندر میں سفر کرنا جائز ہے، خواہ وہ دنیاوی ضرورت کے لیے ہو، اور جس حدیث میں سمندر میں سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ بشر اور بشیر دونوں مجہول راوی ہیں۔

دیکھئے: سنن أبي داؤد (۲۴۸۹ وسنده ضعيف)

[راقم الحروف مختلف فائلوں کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ بہت سے صفحات ایسے ہاتھ لگے جن میں استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے مختلف سوالات کے علمی جوابات تحریر فرما رکھے تھے اور میری دانست میں یہ پہلے شائع نہیں ہوئے۔ واللہ اعلم، لہٰذا اس علمی اثاثے کو توضیح الاحکام کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔ اب جب تک یہ مکمل نہیں ہو جاتے قارئین کرام کے دیگر آنے والے سوالات کے جوابات کی اشاعت مؤخر رہے گی۔ حافظ ندیم ظہیر]

ایک من گھڑت روایت کی تحقیق

سوال: عام واعظین و خطباء حضرات ایک شخص کا واقعہ تفصیل سے بیان کرتے رہتے ہیں جس سے اُس کی والدہ ناراض تھی۔ یہ واقعہ خواجہ محمد اسلام صاحب کی کتاب ''موت کا منظر'' میں بھی اس طرح لکھا ہوا ہے:

''ماں کی نافرمانی کی دُنیا میں سزا: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''علقمہ'' نامی ایک شخص جو نماز روزہ کا بہت پابند تھا جب اس کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو اس کے منہ سے باوجود تلقین کے کلمہ شہادت جاری نہ ہوتا تھا۔ علقمہ کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی بھیج کر اس واقعہ کی اطلاع کرائی۔ آپ نے دریافت کیا: علقمہ کے والدین زندہ ہیں یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ صرف والدہ زندہ ہے اور وہ علقمہ سے ناراض ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہ کی ماں کو اطلاع کرائی کہ میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، تم میرے پاس آتی ہو یا میں تمہارے پاس آؤں۔ علقمہ کی والدہ نے عرض کی، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتی، بلکہ میں خود ہی حاضر ہوتی ہوں۔ چنانچہ بڑھیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے علقمہ کے متعلق کچھ دریافت فرمایا، تو اس

نے کہا علقمہ نہایت نیک آدمی ہے، لیکن وہ اپنی بیوی کے مقابلہ میں ہمیشہ میری نافرمانی کرتا ہے۔اس لیے میں اس سے ناراض ہوں۔آپ نے فرمایا: اگر تو اس کی خطا معاف کر دے، تو یہ اس کے لیے بہتر ہے، لیکن اس نے انکار کیا۔تب آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو اور علقمہ کو جلا دو۔ بڑھیا یہ سن کر گھبرا گئی۔اور اس نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا میرے بچے کو آگ میں جلایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں یہ ہمارا عذاب ہلکا ہے۔خدا کی قسم جب تک تو اس سے ناراض ہے، نہ اس کی نماز قبول ہے نہ کوئی صدقہ قبول ہے۔ بڑھیا نے کہا: میں آپ کو اور لوگوں کو گواہ کرتی ہوں کہ میں نے علقمہ کے قصور معاف کر دیا۔آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''دیکھو، علقمہ کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہوا یا نہیں؟ لوگوں نے بیان کیا یا رسول اللہ ﷺ علقمہ کی زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہو گیا اور کلمۂ شہادت کے ساتھ اس نے انتقال کیا۔آپ نے علقمہ کے غسل و کفن کا حکم دیا اور خود جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے۔علقمہ کو دفن کرنے کے بعد فرمایا: ''مہاجرین و انصار میں سے جس شخص نے اپنی ماں کی نافرمانی کی یا اس کو تکلیف پہنچائی، تو اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور سب لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔خدا تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول کرتا ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ اللہ سے توبہ کرے اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرے اور جس طرح ممکن ہو اس کو راضی کرے، اس کی رضا ماں کی رضامندی پر موقوف ہے اور خدا تعالیٰ کا غصہ اس کے غصہ میں پوشیدہ ہے۔(طبرانی)''

اس واقعہ کے بارے میں اصول حدیث کی روشنی میں تخریج و تحقیق کر کے اس کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ فرمائیں، جزاکم اللہ خیراً۔ (سائل: سید تنویر شاہ، ہری پور ہزارہ)

جواب: یہ واقعہ طبراني (جامع المسانید والسنن لابن کثیر ۷/ ۳۰۷، ۳۰۸ ح ۵۱۶۹) بزار (کشف الأستار ۲/ ۳۸۵، ۳۸۶ ح ۱۹۱۱) عقیلي (الضعفاء الکبیر ۳/ ٤٦١) خرائطی (مساوی الأخلاق ح ۲۵۱) بیهقي (شعب الایمان ٦/ ۱۹۸ ح ۷۸۹۲، دلائل النبوة ٦/ ۲۰٦، ۲۰٦) رافعي (تاریخ قزوین ۲/ ۳٦۹،

۳۷۰ ، الضعيفة للالباني ۷/ ۱٦۷ ح ۳۱۸۳ ، وقال: " موضوع") اورابن جوزی نے کتاب الموضوعات (من گھڑت حدیثوں والی کتاب ج۳ص ۸۷) میں ابو الورقاء فائد بن عبدالرحمٰن عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی سند سے روایت کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے فائد کی اس حدیث کو اپنی کاپی (کتاب) سے کاٹ دیا تھا، کیونکہ فائد العطار اُن کے نزدیک متروک الحدیث تھا۔ (مسند أحمد ج ٤ ص ۳۸۲)

یہ روایت بلحاظِ سند موضوع ہے۔اس کا راوی ابو الورقاء فائد العطار سخت مجروح ہے۔ اس راوی کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے یہ روایت مروی نہیں ہے۔اس راوی کے بارے میں (امام) ابن معین نے کہا:''ضعیف'' (تاريخ الدوري ۳/ ۱٦۳ ت ٤ ۷۰)

ابوحاتم الرازی نے کہا:''و أحاديثه عن ابن أبي أوفى بواطيل ، لاتكاد ترى لها اصلاً كأنه لا يشبه حديث ابن أبي أوفى و لو أن رجلاً حلف ان عامة حديثه كذب لم يحنث .''

اور اس کی ابن ابی اوفیٰ سے حدیثیں باطل ہیں۔تو ان کی اصل نہیں پائے گا گویا کہ یہ روایتیں ابن ابی اوفی کی حدیثوں سے مشابہ نہیں ہیں اور اگر کوئی آدمی قسم کھائے کہ اس کی عام حدیثیں جھوٹی ہیں تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ (الجرح والتعديل ج۷ص ۸٤)

امام بخاری نے کہا:''منكر الحديث .'' یعنی وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔

(كتاب الضعفاء : ۲۹۹ و بتحقيقي : ۳۰۹)

امام بخاری فرماتے ہیں: میں جسے منکر الحدیث کہہ دوں اُس سے (میرے نزدیک) روایت کرنا حلال نہیں ہے۔

(ميزان الاعتدال ج۱ ص ٦ ولسان الميزان ج۱ ص ٥ ترجمة ابان بن جبله)

حافظ نسائی نے کہا:''متروك الحديث .'' اس کی حدیث متروک ہے۔

(كتاب الضعفاء : ٤٨٧)

اصول حدیث میں یہ مقرر ہے کہ متروک کی روایت متابعات میں بھی جائز نہیں ہے۔

دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (ص ۳۸ ، النوع الثاني : الحسن) تیسر مصطلع الحدیث (ص ١٥٤ ، وغیرھما)

حاکم نیسابوری نے اس راوی کے بارے میں کہا: " یروي عن ابن أبي أوفی أحادیث موضوعة ." یہ ابن ابی اوفیٰ سے موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے۔

(المدخل الی الصحیح ص ١٨٤ ت ١٥٥)

حافظ ابن حبان نے کہا: " کان ممن یروي المناکیر عن المشاھیر ."

وہ مشہور لوگوں سے منکر روایتیں بیان کرتا تھا۔ (المجروحین ج ۲ ص ۲۰۳)

حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب (۵۳۹۳) میں لکھا ہے:" متروك ، اتھموہ" متروک ہے، انھوں (محدثین) نے اس کو متہم (کذاب) کہا ہے۔

دیوبندیوں کی کتاب تبلیغی نصاب (ص ۵۹۹) وفضائل اعمال وفضائل ذکر (ص ۱۲۱ حدیث نمبر ۳۵) پر فائد مذکور کو بحوالہ مجمع الزوائد: متروک لکھا ہوا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت اس متروک و متہم اور صاحب احادیث موضوعہ کی وجہ سے موضوع و من گھڑت ہے، لہٰذا ایسی روایت کا بغیر تنبیہ اور انکار کے بیان کرنا حلال نہیں ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

سوالات: ۱ : جناب اگر کوئی شخص نماز میں جماعت کے ساتھ اس وقت ملے جب امام تیسری رکعت پڑھا رہا ہو، تو بتائیں یہ نمازی کی پہلی رکعت ہوگی یا تیسری؟

۲ : حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی کیونکہ انھوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات ہی نہیں پائی تو اُن کی قبر کہاں سے آئی؟

جناب سوالات کے جواب بحوالہ حدیث اور قرآن دیں۔ حدیث کا نمبر اور کتاب کا صفحہ نمبر بھی لکھیں، راوی کا نام بھی لکھیں۔

۳ : اور عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے متعلق بھی بتائیں۔

٤: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں بہن کہہ دے تو رجوع کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

(سائل: ریاض بیگ)

جوابات: آپ کے جوابات بالترتیب پیشِ خدمت ہیں:

١: یہ پہلی رکعت ہوگی، سعید بن المسیب (تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا:

" ان السنة إذا ادرك الرجل ركعة من صلوة المغرب الإمام ان يجلس مع الإمـام فإذا سلم الإمام قام فركع الثانية فجلس فيها و تشهد ثم قام فركع الـركـعة الثـالثة فتشهـد فيهـا ثـم سـلم ، و الصلوة على هذه السنة فيما يجلس فيه منهن . "

سنت یہ ہے کہ جب آدمی (نماز) مغرب کی امام کے ساتھ ایک رکعت پائے تو امام کے ساتھ بیٹھ جائے، پھر جب امام سلام پھیرے (تو) کھڑا ہو کر دوسری رکعت پڑھے، پھر اس میں بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے۔ پھر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، پھر تشہد پڑھے (اور) سلام پھیر دے۔ (السنن الكبرىٰ للبيهقي ج٢ ص ٢٩٩ وسنده صحيح)

٢: موسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام وغیرہم یہ سب عیسائیوں کے بھی انبیاء ہیں، لہٰذا عیسائیوں نے موسیٰ، ابراہیم، یعقوب، اسحاق وغیرہم علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ عیسیٰ علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

حسن بصری (تابعی) رحمہ اللہ نے "و إن من أهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته" کی تشریح میں "قَبْلَ مَـوْتِ عِيسٰى ، وَ اللّٰهِ إِنَّهُ الْان حيٌّ عِنْدَ اللّٰهِ" إلخ ، یعنی عیسیٰ کی موت سے پہلے اور اللہ کی قسم! وہ اب بھی اللہ کے پاس زندہ ہیں۔

(تفسير ابن جرير طبري ج٦ ص ١٤ وسنده صحيح)

قتادہ (تابعی) رحمہ اللہ نے بھی "قبل موت عيسى" کہا ہے۔ (أيضًا وسنده صحيح)

ان مفسرین کے خلاف باسند صحیح کچھ بھی ثابت نہیں ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ حیات عیسیٰ پر سلف صالحین کا خیر القرون میں اجماع ہے۔ والحمدللہ

صحیح مسلم (۵۳۲) کی ایک روایت میں آیا ہے کہ " كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ وَ صَالِحِيْهِمْ" وہ (یہود ونصاریٰ) اپنے نبیوں اور صالحین کی قبروں کو "مساجد" بناتے تھے۔

۳: عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

(كشف الاستار ج ٤ ص ١٤٢ ح ٣٣٩٦ وسنده صحيح)

مزید تفصیل کے لئے راقم الحروف کا شائع شدہ مضمون "القول الصحيح فيما تواتر في نزول المسيح" پڑھ لیں۔

٤: دو مہینے روزے رکھ کر یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر اس "منکر" اور جھوٹی بات کا کفارہ دے، پھر اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ دیکھئے سورۃ المجادلۃ آیت: ۴۔

تصنیف: امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ — ترجمہ و تحقیق: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

اثبات عذاب القبر

۴۳) حذیفہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: روح فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور جسم بھڑک رہا ہوتا ہے۔ پھر وہ جب اسے اٹھاتے ہیں تو (اس کی نظر) ان کے پیچھے جاتی ہے۔ پھر جب (لاش کو) قبر میں رکھ دیا جاتا ہے (تو) روح کو اس میں لوٹا دیا جاتا ہے۔

باب ۸: اس بات کی دلیل کہ (میت سے) سوال و جواب کے بعد، صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔ آگ پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی (تو کہا جائے گا): آلِ فرعون کو (آج) سب سے سخت عذاب میں داخل کر دو۔ [المومن:۴۶]

۴۴) آیت: ''وہ اس (آگ) پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔'' (کی تشریح) میں مجاہد (تابعی) نے فرمایا: جب تک دنیا قائم رہے گی (وہ پیش ہوتے رہیں گے۔)

۴۵) قتادہ بن دعامہ (تابعی) نے فرمایا: (اس پر یہ وارد ہے کہ) انھیں کہا جاتا ہے: اے آلِ فرعون! یہ ہیں تمہارے ٹھکانے، تاکہ انھیں ڈانٹا جائے، ذلیل کیا جائے اور اُن سے (اُن کے کفر کا) انتقام لیا جائے۔

---

۴۳) حسن، سالم بن ابی الجعد کے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سماع میں نظر ہے، لیکن اس روایت کے بہت سے شواہد ہیں مثلاً دیکھئے حدیث سابق: ۱۹

۴۴) اس کی سند عبداللہ بن ابی نجیح کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن اس کا مفہوم دوسرے دلائل کی رو سے صحیح ہے، اسے ابن جریر طبری (۲۴/ ۴۷/ ۱۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

۴۵) یہ روایت سعید بن ابی عروبہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن اس کا مفہوم دوسری احادیث سے ثابت ہے۔ اس روایت کو ابن جریر (۲۴/ ۴۷) نے بھی بیان کیا ہے۔

۴۶) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو صبح وشام اس پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اسے کہا جاتا ہے: تیرا یہ ٹھکانہ قیامت تک ہے حتی کہ اللہ تجھے دوبارہ زندہ کردے۔''

اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

۴۷) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب آدمی مرجاتا ہے تو صبح وشام اس کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتیوں میں سے تھا تو جنتیوں کا اور اگر دوزخیوں میں سے تھا تو دوزخیوں کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔'' عبدالرزاق (راوی) سے کہا گیا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''تیرا یہی ٹھکانہ ہے تو قیامت کے دن اسی پر اٹھے گا؟'' تو انھوں نے کہا: جی ہاں۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۴۸) واقدی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قبر، جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا، یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

۴۹) میمون بن میسرہ سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، صبح اور شام دو باتیں (روزانہ) کرتے تھے۔ وہ دن کے شروع میں فرماتے: رات گئی اور دن آ گیا۔ آلِ فرعون (فرعونیوں) کو آگ پر پیش کر دیا گیا۔

جو شخص بھی ان (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کی بات سن لیتا تو آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتا۔

---

۴۶) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت لعرض عليه بالغداة والعشی (ح١٣٧٩) صحيح مسلم، كتاب الجنة، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه (ح ٢٨٦٦)

۴۷) صحيح مسلم، كتاب الجنة، باب عرض مقعد الميت من الجنة ح٢٨٦٦ ـ مصنف عبدالرزاق (٢/ ٥٨٦ ح ٦٧٤٥، دون قول: "نعم")

۴۸) إسناده ضعيف جدًا، واقدی متروک اور متہم بالکذب ہے۔ اس کی توثیق مردود ہے۔ اور باقی سند سلمہ بن عمر اور عمر بن شیبہ کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ دیکھئے حدیث: ۶۵ وغیرہ۔

۴۹) إسناده ضعيف، ہشیم مدلس ہے اور میمون بن میسرہ کی توثیق نہیں ملی، لہٰذا وہ مجہول ہے۔ واللہ اعلم

اور جب شام ہوتی تو (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) فرماتے:
دن گیا اور رات آ گئی اور آل فرعون کو آگ پر پیش کر دیا گیا، تو جو بھی آدمی اُن کی آواز سنتا، آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتا۔

باب ۹: جہنم کے عذاب سے پہلے، منافقوں کو قبر میں جو عذاب ہوتا ہے اس کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ﴾

تمہارے اردگرد بدوؤں اور (بعض) اہل مدینہ میں سے (ایسے) منافق ہیں جو نفاق پر سرکشی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ آپ انھیں نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ ہم انھیں دو دفعہ عذاب دیں گے، پھر انھیں (قیامت کے دن) بڑا عذاب دیا جائے گا۔'' [التوبہ:۱۰۱]

۵۰) ''ہم انھیں روزانہ عذاب دیں گے'' کی تشریح میں قتادہ رحمہ اللہ فرمایا: قبر میں عذاب اور جہنم میں عذاب۔

۵۱) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے درمیان، بنونجار کا ایک آدمی تھا جس نے سورۃ البقرہ اور آل عمران پڑھ لی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لکھا کرتا تھا۔ وہ بھاگ کر اہل کتاب سے جا ملا تو انھوں نے اسے (بڑا) اٹھایا، کہا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لکھا کرتا تھا۔ وہ اس پر بہت خوش ہوتے تھے حتیٰ کہ وہیں اللہ نے اس کی گردن توڑ دی (یعنی وہ مر گیا) تو انھوں نے گڑھا کھود کر اسے اس میں چھپایا۔ پھر صبح ہوئی تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا تھا۔ انھوں (اہل کتاب) نے اسے باہر پڑا ہی چھوڑ دیا۔

اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

---

۵۰) إسناده صحيح.

۵۱) صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب ۱، براءة حرم النبي صلی اللہ علیہ وسلم من (ح ۲۷۹۱)

۵۲) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھا کرتا تھا، اس نے سورۃ البقرہ اور آل عمران پڑھ لی تھی وہ جب البقرہ اور آل عمران پڑھتا تو ہمیں بڑا اچھا لگتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ''غفوراً رحیماً'' لکھاتے تو وہ کہتا: ''میں علیماً حکیماً'' لکھ دوں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''جس طرح تیری مرضی ہو لکھ لو۔''

آپ اسے علیماً حکیماً لکھاتے تو وہ کہتا: میں سمیعاً بصیراً لکھ دوں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''جس طرح چاہتے ہو لکھ لو۔'' پھر یہ آدمی اسلام سے مرتد ہو کر کافروں سے جا ملا اور کہا: میں تم میں سے سب سے زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ہوں۔ میں جس طرح چاہتا تھا لکھتا تھا۔ پھر وہ آدمی مر گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زمین اسے قبول نہیں کرے گی۔'' انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: وہ اس جگہ گئے جہاں وہ مرا تھا تو اسے (قبر سے) باہر گرا ہوا دیکھا۔
ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس آدمی کو کیا ہوا ہے (تم اسے دفن کیوں نہیں کرتے؟) تو انھوں نے کہا: ہم نے کئی دفعہ اسے دفن کیا ہے مگر زمین نے اسے قبول (ہی) نہیں کیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۵۳) مطلب بن عبداللہ بن حنطب سے روایت ہے کہ انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع الغرقد کے قبرستان میں سفید خچر پر سوار ہو کر گزرے تو وہ خچر بہت زیادہ بدک گیا۔ لوگ اس کی لگام پکڑنے کے لئے دوڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چھوڑ دو، اسے سعد بن زرارہ کے عذاب نے ڈرایا ہے۔ اسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔'' سعد بن زرارہ منافق آدمی تھا۔

---

۵۲) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الاسلام (ح٣٦١٧ من حديث عبدالعزيز بن صهيب) أحمد (٣/ ١٢٠، ١٢١، عن يزيد بن هارون) ابن حبان (موارد ١٥٢١) نیز دیکھئے مشكل الآثار للطحاوي (٤/ ٢٤١) و فتح الباري (٦/ ٦٣٥)

۵۳) **إسناده ضعيف**، پہنچانے والے کا نام معلوم نہیں ہے۔ یہ روایت یعقوب بن سفیان الفارسی کی کتاب المعرفۃ والتاریخ (ج ا ص ۳۷۴) میں بھی موجود ہے اور وہیں سے امام بیہقی نے نقل کی ہے۔

۵۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی انسان کو ایک قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو کالے نیلے فرشتے آجاتے ہیں ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ پھر وہ اسے کہتے ہیں: تو اس آدمی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ اگر وہ مؤمن تھا تو کہتا ہے: وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، پھر وہ اسے کہتے ہیں: ہمیں (اللہ کی طرف سے) پہلے ہی پتہ تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر اس کی قبر ستر ضرب ستر ہاتھ کھول دی جاتی ہے اور اس میں روشنی (ہی روشنی) کر دی جاتی ہے، پھر اسے کہا جاتا ہے کہ: سو جا، تو وہ کہتا ہے: مجھے چھوڑو، میں اپنے گھر والوں کو (اپنی موجودہ حالت کی) خوشخبری دینا چاہتا ہوں، تو وہ اسے کہتے ہیں: اس دلہن کی طرح سو جا جسے نیند سے وہی اٹھاتا ہے جو اسے سب سے زیادہ پیارا ہوتا ہے (یعنی اس کا دولہا) اس وقت تک جب اللہ تجھے اس ٹھکانے سے اٹھا دے گا۔

اور اگر منافق تھا تو کہتا ہے: مجھے (کچھ) پتہ نہیں۔ میں لوگوں کو ایک (کفر و نفاق والی) بات کہتے سنتا تھا تو میں بھی وہی کہہ دیتا تھا۔ پھر وہ اسے کہتے ہیں: ہمیں پہلے ہی سے پتہ تھا کہ تو یہی کہے گا۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ، باہم مل جا، زمین (باہم ایک دوسرے سے) ملتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں دھنستی ہیں۔ پھر اسے لگاتار اس وقت تک عذاب دیا جاتا رہے گا جب تک اللہ اسے (دوبارہ) زندہ کر کے، اس ٹھکانے سے اٹھائے گا۔

باب ۱۰: جو شخص اللہ کے ذکر سے منہ موڑے گا، اسے قیامت سے پہلے قبر میں کون سا عذاب دیا جائے گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾

---

۵۴) إسناده حسن، الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر، ح ۱۰۷۱ اسے ابن حبان (الموارد: ۷۸۰) نے صحیح کہا ہے، نیز امام ترمذی نے کہا: ''حسن غریب''۔

''جو شخص میرے ذِکر سے منہ موڑے گا تو بے شک (قبر میں) اس کی زندگی تنگ ہوتی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔'' (طٰہٰ:۱۲۴)

۵۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اس کی زندگی تنگ ہوگی (اس سے مراد) عذاب قبر ہے۔''

۵۶) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تنگ زندگی، عذاب قبر ہے۔''

۵۷) ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تنگ زندگی (سے مراد) عذاب قبر ہے۔''

۵۸) ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے تنگ زندگی (کی تشریح) کے بارے میں فرمایا: ''اس پر قبر تنگ ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں آپس میں دھنس جاتی ہیں۔''

۵۹) ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک تنگ زندگی (کا مفہوم) یہ ہے کہ اس پر ننانویں کیڑے (سانپ) مسلط کر دیے جاتے ہیں جو قبر میں اسے ڈستے نوچتے رہتے ہیں۔

---

۵۵) حسن، اسے ابن جریر ۱۶/ ۱۶۴ نے بھی روایت کیا ہے۔اور ابن حبان (الاحسان ۳۱۰۹) نے صحیح کہا ہے۔حافظ ابن کثیر اس کی سند کو جید کہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۱۶۹)

۵۶) حسن، دیکھئے حدیث سابق: ۵۵، **تنبیہ:** عبدالرحمٰن بن الحسن اس روایت میں منفرد نہیں ہے۔

۵۷) حسن، اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (ج ۲ ص ۳۸۱)

تنبیہ: اسے ایک جماعت نے موقوفاً روایت کیا ہے اور موقوف زیادہ صحیح ہے، لیکن یہ موقوف بھی حکماً مرفوع ہے کیونکہ عذابِ قبر کا مسئلہ اجتہادی نہیں ہے۔

۵۸) إسناده صحيح.

۵۹) إسناده حسن، اسے احمد بن حنبل (۳/ ۳۸) نے بھی روایت کیا ہے اور ابن حبان (الموارد: ۷۸۳) نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے، کیونکہ بصراحتِ محدثین دراج عن أبي الهيثم حدیث صحیح ہوتی ہے۔

۶۰) حسن، اسے طبرانی (الکبیر ۹/ ۲۶۶) نے بھی روایت کیا ہے۔ یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔

۶۰) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تنگ زندگی کی تشریح میں فرمایا: وہ عذابِ قبر ہے۔

۶۱) ابوصالح (تابعی) نے کہا: تنگ زندگی (سے مراد) عذاب قبر ہے۔

۶۲) السدی (اسماعیل بن عبدالرحمٰن، تابعی، مفسر) نے کہا: تنگ زندگی (سے مراد) عذاب قبر ہے۔

ایسا ہی حسن بصری سے بھی مروی ہے۔

۶۳) تنگ زندگی کے بارے میں مجاہد (تابعی، مفسر) سے مروی ہے کہ: اس سے قبر کی تنگی مراد ہے، اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔

۶۴) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو وہ لوگوں کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے جب وہ اس سے واپس جاتے ہیں۔ اگر وہ مؤمن تھا تو نماز اس کے سر کے پاس، روزے اس کی دائیں طرف، زکوٰۃ بائیں طرف اور خیر کے کام (مثلاً) صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور لوگوں کے لئے احسان اس کے پاؤں کے پاس آ کر (کھڑے ہو) جاتے ہیں۔ اگر اس کے سر کی طرف سے آیا جائے تو نماز کہتی ہے کہ تم یہاں سے داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر دائیں طرف سے آیا جائے تو روزے کہتے ہیں: یہاں سے تمہارے لئے داخلہ منع ہے۔ اگر بائیں طرف سے آیا جائے تو زکوٰۃ کہتی ہے: میری طرف سے تم داخل نہیں ہو سکتے۔

پھر اس کے قدموں کی طرف سے آیا جاتا ہے تو خیر کے کام (مثلاً) صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور لوگوں کے لئے احسان کہتے ہیں کہ یہاں سے تم نہیں آ سکتے۔ (لہٰذا عذاب والے فرشتوں

---

۶۱) صحیح، اسے ابن جریر طبري (۱۶/ ۸/ ۱۴۹) اور هناد بن السری (الزھد ۱/ ۲۱۴) نے حسن وصحیح سندوں سے روایت کیا ہے۔

۶۲) حسن.

۶۳) حسن، اسے ابن جریر طبری (۱۶/ ۱۴۷) نے دو سندوں سے بیان کیا ہے۔
عبدالرحمٰن بن الحسن القاضی منفرد نہیں ہے اور یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔

۶۴) إسناده حسن، اسے ابن جریر (۱۶/ ۱۶۴) نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان (الإحسان ۳۱۰۳) حاکم (۱/ ۳۷۹، ۳۸۰) اور ذہبی نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

پر چاروں طرف سے راستہ بند ہے) پھر اسے کہا جاتا ہے: بیٹھ جا، تو وہ بیٹھتا ہے۔ اسے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ گویا سورج غروب ہونے کے قریب ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے: اس آدمی کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: مجھے چھوڑ و تا کہ میں (عصر کی) نماز پڑھ لوں۔

وہ اسے کہتے ہیں: تو ایسا جلدی کرے گا۔ پہلے ہمیں وہ بتا جس کا ہم پوچھ رہے ہیں۔

وہ کہتا ہے: تم مجھ سے کس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟

وہ کہتے ہیں: تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجا گیا ہے اور اس کے بارے میں کیا گواہی دیتا ہے۔

تو وہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور بے شک وہ اللہ سے حق لے کر آتے ہیں۔

تو اسے کہا جاتا ہے: اسی پر تو زندہ تھا اور اس پر تو مرا ہے اور جب اللہ چاہے گا تو اسی پر زندہ ہو گا۔ پھر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے: دیکھو اپنے ٹھکانے کی طرف اور جو کچھ اس (جنت) میں اللہ نے تیرے لئے تیار کر رکھا ہے۔ تو وہ بے پناہ خوشی اور سرور سے لبریز ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ کھل جاتی ہے اور اس کے لئے منور ہو جاتی ہے اور جسم شروع کی حالت پر لوٹ جاتا ہے۔ اس کی روح کو پاک روحوں میں شامل کر کے، ایک پرندے کی صورت میں جنت میں معلق کر دیا جاتا ہے۔''

محمد (بن عمرو اللیثی، راوی) نے کہا: میں نے عمر بن حکم بن ثوبان کو یہ فرماتے سنا کہ وہ اس دلہن کی طرح سو جاتا ہے جسے اس کا محبوب ترین شخص ہی اٹھاتا ہے حتیٰ کہ (قیامت کے دن) اللہ اسے زندہ کرے گا۔

پھر وہ (محمد بن عمرو) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی (بیان کردہ) حدیث کی طرف لوٹ گئے۔ فرمایا: اور یہ ہے اللہ کا فرمان: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ﴾ ''اللہ، ایمان والوں کو دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے۔'' (ابراھیم: ٢٧)

اور اگر کافر تھا تو اس کے سر کی طرف سے آیا جاتا ہے تو (نیکی کی) کوئی چیز نہیں ملتی، پھر دائیں طرف سے آتا ہے تو کوئی چیز نہیں ملتی۔ پھر بائیں طرف سے آتا ہے تو کچھ بھی نہیں ملتا، پھر قدموں کی طرف سے (فرشتہ) آتا ہے تو کوئی چیز نہیں پاتا۔ پھر اسے کہا جاتا ہے: بیٹھ جا تو وہ ڈرا سہما ہوا بیٹھ جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: یہ آدمی جو تمھارے درمیان (بھیجا گیا) تھا۔ تیرا کیا خیال ہے، کیسا آدمی تھا؟ اس کے بارے میں تو کیا کہتا ہے اور کیا گواہی دیتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: کون سا آدمی؟ تو کہا جاتا ہے: جو تمھارے درمیان (بھیجا گیا) تھا۔ تو اسے نام نہیں آتا حتیٰ کہ اسے بتایا جاتا ہے کہ محمد ﷺ تو وہ کہتا ہے: مجھے پتہ نہیں۔ میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تو وہی بات کہہ دی۔ اسے کہا جاتا ہے: تو اسی پر زندہ تھا اور اسی پر مرا اور جب اللہ چاہے گا تو اسی پر زندہ کیا جائے گا۔ پھر آگ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: یہ تیرا جہنم میں ٹھکانہ ہے اور (جہنم میں) جو کچھ اللہ نے تیرے لئے تیار کر رکھا ہے (اسے دیکھتے رہو) تو وہ حسرت و ہلاکت سے بھر جاتا ہے۔ پھر اس کی قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں دھنسنے لگتی ہیں۔" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ "بے شک اس کی زندگی تنگ ہوتی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔" (طٰہٰ: ۱۲۴)

٦٥) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مؤمن اپنی قبر میں سر سبز و شاداب باغ میں ہوتا ہے۔ اس کی قبر ستر ہاتھ کھل جاتی ہے اور چودھویں کے چاند کی طرح منور کر دی جاتی ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہ آیت: ﴿فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ "پس بے شک اس کی زندگی تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔" (طٰہٰ: ۱۲۴) کس بارے میں نازل ہوئی ہے؟ کیا جانتے ہو کہ تنگ زندگی سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول، سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

---

٦٥) إسنادہ حسن، اسے ابن جریر (۱٦/ ۱٦۵) نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان (موارد: ۷۸۲) نے صحیح کہا ہے۔

آپ نے فرمایا: ''کافر کو اس کی قبر میں عذاب (دیا جاتا) ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس (کافر) پر ننانویں سانپ ہیں، ہر سانپ کے نو سر ہیں۔ وہ اس کے جسم میں (زہریلی) پھونکیں مارتے ہیں اور اسے ڈستے ہیں (اور) وہ قیامت تک اسے نوچتے رہیں گے۔''

۶۶) زاذان (تابعی) سے روایت ہے کہ انھوں نے (آیت:) ﴿وَ اِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ ''اور بے شک ظالموں کے لئے اس سے نچلا عذاب ہو گا۔'' (الطّور: ۴۷) کے بارے میں فرمایا: (یہ) عذاب قبر ہے۔

۶۷) اسی آیت کی تشریح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (اس سے مراد) قیامت سے پہلے قبر کا عذاب ہے۔

باب ۱۱: (جسم کے) منفرد ٹکڑے میں (برزخی) زندگی کا جواز اور (عالم برزخ میں) خاکی جسم کا ہونا زندگی کی شرط میں سے نہیں ہے۔ جیسے کہ زندہ کے لئے خاکی جسم کا ہونا شرط نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جسم کے مختلف ٹکڑوں میں عذاب کا محسوس ہونا ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ﴾ اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن لیتا ہے۔ (القصص: ٦٨)

اور فرمایا: ﴿یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ یُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ﴾ ''اللہ، ایمان والوں کو مضبوط قول کے ساتھ دنیا کی زندگی میں ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی) اور ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' [ابراہیم: ۲۷]

---

۶۶) **إسناده ضعيف**، اسے یعقوب بن سفیان الفارسی (کتاب المعرفة والتاریخ ۳/ ۱۰۴) هناد بن السری (الزهد ۱/ ۲۱۵) الآجری (الشریعة ص ٤٦٣) اور عبداللہ بن احمد ابن حنبل (کتاب السنة ۲/ ٦١٤ رقم ١٤٥٩) نے بھی روایت کیا ہے۔ زاذان کا شاگرد مجہول الحال ہے۔ دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاري ۸/ ٦٠ والجرح والتعدیل ۹/ ٤٣١۔

۶۷) **إسناده ضعيف**، اسے ابن جریر طبری نے (۲۷/ ۲۲) نے بھی روایت کیا ہے۔ ابو حاتم سے روایت ہے کہ علی بن ابو طلحہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل یعنی منقطع ہے۔

اورفرمایا: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ ''اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں (وہ) زندہ جاوید (اور) قائم دائم ہے۔'' [البقرہ:۲۵۵]

اورفرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

''اس کی مثل کوئی نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔'' [الشوریٰ:۱۱]

۶۸) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے (کافر) مقتولین کو تین دن چھوڑے رکھا۔ پھر آپ اُن (مقتولین کی لاشوں) کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے ابوجہل بن ہشام، اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے (اب) اس وعدے کو سچا نہیں پالیا جو تمھارے رب نے تمھارے ساتھ کیا تھا؟ بے شک میں نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے جو اس نے میرے ساتھ کیا ہے۔''

تو عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر کہا: اے اللہ کے رسول! یہ کیسے سنتے ہیں اور کس طرح جواب دے سکتے ہیں، جبکہ وہ مر کر مردار ہو چکے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں انھیں جو کہہ رہا ہوں وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں، لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔'' پھر آپ نے حکم دیا تو انھیں (مشرکین کی لاشوں کو) گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۶۹) قتادہ بن دعامہ (تابعی) نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت بیان کر کے فرمایا: اللہ نے انھیں (عالم برزخ میں) زندہ کر دیا تاکہ وہ آپ کی بات سنیں جس میں اُن (مشرکوں) کے لئے ڈانٹ، ذلت، انتقام، حسرت اور ندامت ہے۔

۷۰) ابوخلف: خلیفہ سے روایت ہے کہ: میں نے سعید بن جبیر کی شہادت کا منظر دیکھا

---

۶۸) صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب عرض مقعد المیت من الجنة (ح ۲۸۷۴)

۶۹) صحیح.

۷۰) **إسناده ضعیف**، اسے ابو نعیم اصبہانی (حلیة الاولیاء ۴/ ۲۹۱) ابن سعد (الطبقات الکبری ۶/ ۲۶۵) اور ابن جریر نے تاریخ میں (۶/ ۴۸۹) بھی روایت کیا ہے۔ اس کا راوی سعید بن داود ضعیف ہے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب وغیرہ۔ دوسری سند میں ''رجل'' مجہول ہے۔

ہے۔ جب ان کا سر جدا ہوا تو وہ لا الہ الا اللہ کہہ رہے تھے، دو دفعہ کہا اور تیسری دفعہ اسے مکمل نہ پڑھ سکے۔

باب ۱۲: اس بات کی دلیل کہ بے شک اللہ، دنیا سے رخصت ہونے والے آدمی کے لئے ایسے احوال پیدا کرتا ہے جن کا ہم مشاہدہ نہیں کرتے اور نہ ان کا ادراک کرتے ہیں۔ایک گروہ کو نعمتیں ملتی ہیں اور دوسرا گروہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے بارے میں، جن پر ایمان اور استقامت کا فضل وکرم کیا، فرمایا ہے:

﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ ''ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں:) نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور اس جنت کی تمھیں بشارت ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا۔'' [حم السجدہ: ۳۰]

۷۱) اس آیت کی تشریح میں (مفسر قرآن) مجاہد (تابعی) نے فرمایا: یہ (کلام) موت کے وقت ہے۔

۷۲) سفیان (ثوری) سے روایت ہے کہ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔یعنی موت کے وقت، نہ ڈرو۔ اپنے آگے، اور نہ غم کرو جو اپنے پیچھے مال ومتاع چھوڑ آئے ہو، اور اس جنت کی تمھیں بشارت ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا۔

فرمایا: اسے تین بشارتیں (خوشخبریاں) دی جاتی ہیں، ایک، موت کے وقت، (دوسری) جب قبر سے نکلے گا (تیسری) جب محشر میں ڈر جائے گا۔

ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے دوست ہیں۔ وہ اُن کے ساتھ تھے اور جنہیں اللہ نے شہادت نصیب کی، اُن کے بارے میں فرمایا: پس جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انھیں مردے مت سمجھو، بلکہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں، انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ نے انھیں جو فضیلت بخشی ہے وہ اس پر ناز کر رہے ہیں۔ اللہ نے اُن کے بارے میں قطعی فیصلہ کر دیا کہ وہ زندہ

---

۷۱) **ضعیف**، اسے ابن جریر طبری (۲۴/ ۷۴) نے ابن ابی نجیح سے روایت کیا ہے۔ یہ سند ابن ابی نجیح کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ اس کے صحیح معنوی شواہد موجود ہیں۔

۷۲) **إسناده ضعیف**، مجھے الجعفری اور اس کے استاد، دونوں کی توثیق نہیں ملی۔

ہیں اور انھیں دنیا میں خون میں لت پت دیکھا جاتا ہے۔ اور ان کے جسم بے جان لاشے بن چکے ہوتے ہیں۔ پرندے اور درندے انھیں کھاتے ہیں (اور پھر بھی وہ برزخی طور پر زندہ ہیں) اس میں دلیل ہے کہ اللہ ان پر ایسے احوال طاری کر دیتا ہے جس میں انھیں مسرت ہوتی ہے، اگرچہ ہم ان حالات کو محسوس نہیں کر سکتے۔

دوسرا جزء ختم ہوا۔

۷۳) مسروق (تابعی) سے روایت ہے کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انھیں مردے نہ سمجھو، بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، انھیں رزق دیا جاتا ہے۔'' [آل عمران:۱۶۹]

کے بارے میں سوال کیا تھا، ان کی روحیں سبز پرندوں کی طرح جنت میں سیر کرتی رہتی ہیں۔ جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیلوں کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔

فرمایا: وہ اسی حالت میں ہوتی ہیں، اتنے میں اُن کا رب اُن کے سامنے ظاہر ہوتا ہے، پھر فرماتا ہے: جو چاہتے ہو مجھ سے مانگو، تو وہ (شہداء) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم تجھ سے اور کیا مانگیں، جبکہ ہم جنت میں جہاں چاہیں سیریں کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ انھیں (رب کی طرف سے) سوال مانگے بغیر چھوڑا نہیں جا رہا تو وہ کہتے ہیں:

ہم تجھ سے اس کا سوال کرتے ہیں کہ ہماری روحوں کو، دنیا میں ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم تیری راہ میں قتل کئے جائیں۔

جب (رب) یہ دیکھتا ہے کہ وہ صرف اسی (دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے) کے بارے میں سوال کر رہے ہیں، تو پھر انھیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

۷۴) ایک دوسری سند سے بھی یہی روایت مروی ہے، بعض راویوں نے ''سبز پرندوں

---

۷۳) صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب بیان ان أرواح الشهداء فی الجنة (ح۱۸۸۷)

۷۴) صحیح، دیکھئے حدیث سابق:۷۳۔

کے پیٹ میں'' کے الفاظ کہے ہیں۔

۷۵) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شہداء، جنت کے دروازے پر، سبز قُبے (چبوترے) میں، نہر کے کنارے پر ہوتے ہیں۔ان کا رزق صبح وشام انھیں پیش ہوتا ہے۔''

شیخ (امام بیہقی) رحمہ اللہ نے فرمایا: پہلی حدیث اس سے زیادہ صحیح ہے اور ابن عباس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی حدیث کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

اور اگر یہ صحیح ہو تو گویا یہ حدیث (حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ) ایک گروہ کے بارے میں ہے اور پہلی حدیث (حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ) دوسری قوم کے بارے میں ہے۔ جنتیوں کے (مختلف) مقامات اور درجے ہیں۔

اسی طرح جہنمیوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں جن میں انھیں عذاب دیا جاتا ہے۔ اور اس پر ہماری روایت کردہ، عذاب وثواب کی اقسام کو محمول کیا جائے گا۔ایک قوم کے ساتھ یہ ہوتا ہے تو دوسری قوم کے ساتھ وہ ہوتا ہے۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ ان احادیث میں باہم تناقض (یا تضاد) کا سا اختلاف ہے بلکہ یہ روایتیں مختلف اقسام کی حالتوں پر محمول ہیں جن میں ثواب و عذاب دیا جاتا ہے۔

۷۶) جابر بن عبداللہ (الانصاری) رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب احد کے دن میرے ابا جان قتل ہوگئے تو میں (آنسو بہا کر) رونے لگا۔میں ان کے چہرے سے کپڑا اٹھاتا تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (کبار) صحابہ مجھے اس سے منع کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے منع نہیں کر رہے تھے۔میری

---

۷۵) إسناده حسن، اسے أحمد (۱/ ۲۶۶) نے بھی روایت کیا ہے۔اور ابن حبان (الموارد: ۱۶۱۱) حاکم (۲/ ۷۴) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: اس روایت اور سابقہ روایت میں کوئی تضاد نہیں ہے جیسا کہ خود مؤلف نے واضح کر دیا ہے والحمد للہ

۷۶) صحیح البخاري، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم احد (ح ۴۰۸۰) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن عمرو بن حرام (ح ۲۴۷۱/ ۱۳۰)

آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے (شفقت سے) فرمایا: ''نہ رو (فرمایا:) تجھے کیا چیز رلا رہی ہے؟ فرشتے اسے پروں کے ساتھ سائے میں رکھے ہوئے تھے حتیٰ کہ وہ اسے اٹھالے گئے۔'' اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

۷۷) براء (بن عازب) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (نبی ﷺ کے بیٹے) ابراہیم علیہ السلام فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو جنت میں ایک دودھ پلانے والی (دودھ پلا رہی) ہے''

۷۸) دوسری سند سے بھی یہی روایات مروی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا تو الخ راوی نے (آخر تک پوری) حدیث ذکر کی اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے (بیٹے) ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتایا کہ اسے جنت میں دودھ پلایا جاتا ہے اور (حالانکہ وہ) مدینے کے قبرستان: البقیع میں دفن ہے۔

اور آپ نے عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر دی کہ فرشتوں نے انھیں سائے میں رکھا ہوا ہے، حالانکہ آپ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ یہ روایات یا ان جیسی دوسری روایات جنہیں ہم نے تخفیف کے لئے اور طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے ہماری کہی ہوئی اس بات کی دلیل ہے کہ جو آدمی اس دنیا سے (موت کے بعد) چلا جاتا ہے تو اس پر مختلف حالتیں آتی ہیں جن کا ہم نہ مشاہدہ کرتے ہیں اور نہ کوئی (بظاہر) واقفیت ہوتی ہے۔ صحیح حدیث کے آنے کے بعد ان پر عقیدہ رکھنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جن پر اُس نے عذاب کا فیصلہ کر دیا ہے:

﴿وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾

---

۷۷) صحیح، دیکھئے حدیث: ۷۸

۷۸) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما قيل أولاد المشركين (ح ١٣٨٢) عن ابی الولی، و (ح ٦١٩٥) عن سليمان بن حرب

''اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں (کی روحوں) کو قبض کرتے ہیں۔ وہ اُن کے چہروں اور پٹھوں کو مارتے ہیں (اور کہتے ہیں:) جلانے والے عذاب کا مزہ چکھ۔ یہ وہی ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور بے شک اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ظلم کرنے والا نہیں۔'' [الانفال:۵۰]

اور فرمایا:

﴿ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾

''اور اگر تو ظالموں کو موت کی سختیوں میں دیکھے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے کہہ رہے ہوتے ہیں: اپنی جانوں کو آج نکالو، تم اللہ پر جو ناحق باتیں کرتے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے تو اس کی وجہ سے آج تمھیں رسوا کن عذاب ملے گا۔'' [الانعام:۹۳]

اور (اللہ) تعالیٰ نے آل فرعون کے بارے میں فرمایا:

﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾

''(جہنم کی) آگ پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی (تو کہا جائے گا) آج آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔'' [المؤمن:۴۶]

پس بتایا کہ جب انھیں موت دی جاتی ہے تو فرشتے ان کے چہرے اور پیٹھیں پیٹتے ہیں۔ اگرچہ فرشتے موت کے وقت اپنے ہاتھ پھیلا کر انھیں جو کچھ کہتے ہیں، ہم اس کا مشاہدہ نہیں کرتے اور نہ اسے سنتے ہیں اور جب تک دنیا رہے گی۔

آل فرعون کو صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا۔ اگرچہ ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے، ان باتوں میں ہماری کہی ہوئی بات کی دلیل ہے اور آنے والی حدیث بھی اس جیسی (دلیل) ہے۔

نصیر احمد کاشف

ماہ شوال کے چھ روزے

تخلیق انسانی کا مقصد وحید اللہ رب العزت کی عبادت و بندگی ہے، اس لیے مختلف قسم کی عبادات فرض کی گئی ہیں۔ یہ عبادات روزانہ کی بنیاد پر ہوں یا سالانہ کی، خاص بات اور لائق توجہ اَمر اِن کا تسلسل ہے۔

مثلاً نماز کے بعد کے ذکر و اذکار کا التزام اور فرائض کے ساتھ ساتھ سنن و نوافل کا اہتمام اسی تسلسل کی ایک صورت ہے۔

صدقہ فطر اور عام صدقہ کی ترغیب فرضی زکاۃ کا تسلسل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ((تَابِعُوا بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ......)) (سنن الترمذي، كتاب الحج، باب ماجاء في ثواب الحج والعمرة رقم الحديث: ٨١٠، و إسناده حسن) سے عبادتِ حج کا تسلسل ظاہر و بین ہے۔

اور بالکل یہی صورت حال روزوں میں بھی ہے۔ پورے ماہ کے روزے رکھنے کے بعد مسلمان کو ترغیب دی گئی ہے کہ اس عبادت کو یہیں پر ختم نہ کرے بلکہ مزید نفلی روزوں کا اہتمام کرے اور اپنے لیے مزید نیکیوں کا حصول ممکن بنائے۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ.))

''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد ماہ شوال کے چھ روزے رکھے وہ ایسے ہے جیسے زندگی بھر روزے رکھے۔'' (صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال ...... رقم الحديث: ١١٦٤)

السنن الکبریٰ للنسائی میں درج ذیل الفاظ ہیں:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اتْبَعَهُ سِتَّةَ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ، فَكَأَنَّمَا صَامَ السَّنَةَ كُلَّهَا.))

"جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ دنوں کے روزے رکھے گویا اس نے پورا سال روزے رکھے۔"

(السنن الکبریٰ للنسائي: ٢٨٧٨ و في نسخة: ٢٨٦٥)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے رمضان اور بعد کے چھ روزوں کے زندگی بھر کے روزے ہونے کے بارے میں فرمایا کہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے اس طرح یہ زندگی بھر کے روزوں کے برابر ہیں۔ (صحیح ابن خزیمة ٣/ ٢٩٨)

یہ روزے کیسے رکھے جائیں؟

شوال کے روزے رکھنے کے بارے میں اختیار ہے کہ چاہے مہینے کے آغاز میں رکھے یا درمیان میں یا آخر میں رکھے۔ تاہم آغاز میں رکھتے ہوئے شروع کے کچھ دن چھوڑ کر رکھے جائیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کی کراہیت اس پر محمول ہے کہ رمضان اور شوال کے روزوں کے درمیان فصل ہو جیسا کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الاستذکار (٣/ ٣٧٩۔٣٨٠) میں مفصل ذکر کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ان کے بیٹے امام عبداللہ نے ان روزوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

"لَا بَأْسَ بِصِيَامِهَا إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ سِتَّةُ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ . فَإِذَا أَصَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ لَا يُبَالِي فَرَّقَ أَوْ تَابَعَ" ان روزں کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں نبی کریم ﷺ نے "شوال کے چھ روزوں" سے متعلق فرمایا ہے، لہٰذا جب شوال میں چھ روزے رکھے تو کوئی مضائقہ نہیں الگ الگ رکھے یا اکٹھے پے در پے رکھے۔

(مسائل الإمام أحمد رواية ابنه عبد الله ٢/ ٦٦٢ رقم: ٨٩٥)

معلوم ہوا کہ اس میں وسعت ہے اور ماہ شوال کے کسی بھی حصے میں یہ روزے رکھے جا سکتے ہیں۔ **هَذَا مَا عِنْدِي وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.**

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ
ترجمہ: حافظ ندیم ظہیر

سنت کے سائے میں

صدقے کی اقسام اور اس کے اجرِ عظیم کا بیان

امام ہمام بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مختلف احادیث کا ذکر کیا، ان میں سے ایک یہ ہے:

وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: **((كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ، قَالَ: تَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ وَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا، أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ، وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِيطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ))**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں پر ہر ہر جوڑ کے عوض میں صدقہ (لازم) ہے، ہر اس دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے۔ دو لوگوں کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے، اور کسی انسان کی اس کی سواری کے معاملے میں مدد کرنا اور اس شخص کو سواری پر بٹھانا یا اس سواری پر اس کا سامان رکھوانا صدقہ ہے اور اچھی بات صدقہ ہے، ہر قدم جو نماز کے لئے (مسجد کی طرف) اٹھتا ہے، صدقہ ہے اور تکلیف دینے والی شے کو راستے سے ہٹانا (بھی) صدقہ ہے۔'' (الصحیفة الصحیحة لهمام: ۷۱، صحیح البخاري: ۲۷۰۷، ۲۸۹۱، صحیح مسلم: ۱۰۰۹)

فقہ الحدیث: امام ابو زرعہ العراقی نے اس حدیث کی شرح میں آٹھ فوائد ذکر کیے ہیں:

۱: سلامیٰ سے مراد مفاصل (جوڑ) ہیں اور انسانی جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، جس نے اللہ اکبر، الحمدللہ، لا الٰہ الا اللہ، سبحان اللہ اور استغفر اللہ کہا اور پتھر، ہڈی یا کانٹا لوگوں کی راہ سے ہٹا دیا اور نیکی کا حکم دیا یا کسی برائی سے روکا تو یہ تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد کے برابر (عمل ہیں) اور وہ اس دن اس حال میں چل رہا ہوگا کہ اس نے اپنے آپ کو جہنم سے محفوظ کرلیا۔'' اور ایک روایت میں شام کے الفاظ بھی ہیں۔

(صحیح مسلم: ۱۰۰۷)

۲: دیگر دلائل کی رُو سے یہ حدیث ان (مذکورہ بالا) اعمال کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔ ان اعمال سے چاشت کی دو رکعتیں بھی کفایت کر جاتی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ نوافل واجبات کو کفایت نہیں کرتے اور نمازِ چاشت کے واجب نہ ہونے پر اتفاق ہے۔

۳: ہر دن عبادت و نوافل پر مداومت اختیار کی جائے، کیونکہ ایک دن کی عبادت دوسرے دن کفایت نہیں کرے گی۔ جیسے یوں نہیں کہا جاتا: میں نے کل یہ کام کیا تو آج مجھے یہ کفایت کرے گا۔ اس (کی دلیل وہ) قول ہے کہ ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے۔

۴: اس حدیث میں لوگوں کے درمیان صلح کی ترغیب ہے اور یہ پسندیدہ عمل ہے۔ اگر اس حکم کو واجب پر محمول کیا جائے تو اس سے مراد قاضی اور امراء ہیں جو فیصلے کرتے ہیں کہ وہ عدل و انصاف سے کریں۔

۵: یہ حدیث اس عمل کی طرف ترغیب دلاتی ہے کہ اگر کوئی شخص سواری پر سوار ہونے سے عاجز ہے (وہ سوار نہیں ہو سکتا) تو اسے اس پر بٹھا دیا جائے اور ایسے ہی (کمزور، ضعیف اور معذور) لوگوں کو سامان اٹھوا دینا۔ وغیرہ

۶: اچھی بات کہنا اور اس کے دو معنی ہیں:

اول: سائل کو اس کی بات کا جواب احسن انداز میں دیا جائے نہ کہ بدگوئی وغیرہ کا ارتکاب کیا جائے، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے، نیز اپنے بھائی کو خوش رکھنا، (اور تیری وجہ سے تیرے بھائی کے چہرے پر مسکراہٹ کا آنا) یہ بھی صدقہ ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب تو اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو کشادہ چہرے کے ساتھ ملے، یعنی ماتھے پر ناراضی کے آثار نہ ہوں۔

دوم: الکلمۃ الطیبہ سے اذکار (لا الٰہ الا اللہ، سبحان اللہ اور الحمد للہ) مراد ہے۔ اور یہ معنی قرآن کریم کی آیت: ﴿مَثَلاً كَـلِمَةً طَيِّبَةً﴾ (ابراہیم: ۲۴) کی تفسیر کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ (فاطر: ۱۰) کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد بھی لا الٰہ الا اللہ ہے۔

۷: ہر قدم جو نماز کے لیے مسجد کی طرف بڑھتا ہے اس سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ صرف ان قدموں کا ثواب ملتا ہے جو مسجد کی طرف اٹھنے والے ہوں نہ کہ واپسی پر، لیکن مسند احمد (۱۷۲/۲) کی ایک روایت میں صراحت موجود ہے کہ اس سے مراد آنا اور جانا ہے۔

تنبیہ: ابن لہیعہ نے سماع کی صراحت کر رکھی ہے اور یہ منفرد بھی نہیں ہے بلکہ اس کے صحیح شواہد موجود ہیں۔

۸: اور لفظ صلاۃ پر جو الف لام داخل ہے یہ عہد کے لیے ہے، اس سے مراد فرض نماز ہے اور اگر اس سے جنس مراد لیا جائے تو ہر نماز ہے جس کی طرف چل کر جانا مشروع ہے جیسے عید اور جنازہ جب کہ وہ دور ہو اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

دیکھئے: طرح التثريب في شرح التقريب (۱/ ۲۰۳_ ۲۰۴)

۹: یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ با جماعت نماز ادا کرنا مستحب و مسنون عمل ہے، جبکہ دیگر دلائل وجوب پر بھی دلالت کرتے ہیں۔

۱۰: نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہر مسلمان سے تعاون کرنا مسنون عمل ہے اور اللہ بندے کی مدد کرتا ہے جب تک وہ (بندہ) اپنے بھائی کی مدد کرنے میں مصروف رہتا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدة: ۲)

۱۱: اس سے مسجدوں کی طرف زیادہ قدم چل کر جانے کی ترغیب ہے اور ان کی طرف تیز

چلنے کی ممانعت ہے۔

۱۲: اور حدیث دلیل ہے کہ ہر وہ چیز جو لوگوں کو تکلیف پہنچانے والی ہو، خواہ وہ گڑھا ہو یا درخت اور ان دونوں کے علاوہ کوئی بھی شے ہو، اور ایسے ہی راستے سے گرد وغبار کو صاف کرنا جس کی وجہ سے گزرنے والے کو پریشانی ہوتی ہے اور راستوں کو کشادہ کرنا جو چلنے والوں کے لیے تنگی کا باعث بنتے ہیں اور راستے میں خرید وفروخت کرنے والوں کو وہاں سے ہٹانا جیسے صفا ومروہ کی سعی کا مقام ہے۔ اور اس جیسے تمام وہ امور جو راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی مد میں آتے ہیں۔

۱۳: مسلمان جو بھی نیکی کا کام کرتا ہے جس سے اس کا مقصود اللہ کی رضا ہے تو وہ صدقہ ہے یعنی اس کا ثواب صدقہ کے ثواب کی طرح ہے، جیسا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ((كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ)). (صحيح مسلم: ١٠٠٥)

۱۴: اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ احادیث ہجرت کے ابتدائی دور میں ہی لکھی اور مدون کی گئیں اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جنھوں نے مخالفت کی۔

۱۵: اس سے اہل الحدیث محدثین کی فضیلت ومنقبت بھی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ انھوں نے احادیث کو یاد کیا اور ہمارے لیے کتابوں میں محفوظ کر دیا۔

اہم اعلانات

۱: جن حضرات کو "ماہنامہ اشاعۃ الحدیث" نہیں مل پاتا وہ فوری طور پر اس نمبر پر رابطہ کریں: 0301-4112248

۲: قارئین سے التماس ہے کہ آئندہ خریداری نمبر کے ساتھ اپنے فون یا موبائل نمبرز بھی لکھ کر بھیجا کریں۔ شکریہ

۳: حافظ ندیم ظہیر مدیر اشاعۃ الحدیث سے صرف 10:00am سے 3:00pm تک موبائل فون پر رابطہ ہوسکتا ہے۔

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

"مِنْ دُوْنِ اللّٰہ" کا صحیح مفہوم

(قسط:۳)

تیسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾

"انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو"

(التوبۃ:۳۱، ترجمہ از احمد رضا خان صاحب)

احمد سعید کاظمی ملتانی صاحب نے ترجمہ ان الفاظ میں کیا:

"انہوں نے اپنے دینی پیشواؤں اور عبادت گزاروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔" (البیان ص ۳۰۷، مطبوع ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

۱: اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ ازہری بھیروی صاحب نے لکھا:

"احبار جمع ہے حبر کی .... اس کا معنی ہے جید عالم جو بڑی عمدگی اور سلیقہ سے بات کر سکے ... رھبان راہب کی جمع ہے جو رہبۃ بمعنی خوف سے ماخوذ ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ کے خوف سے اپنی ساری زندگی اس کی عبادت کے لئے وقف کر دیتے ہیں"

(ضیاء القرآن ۲/ ۱۹۸، نیز دیکھئے تفسیر نعیمی ۱۰/ ۲۴۵)

۲: ان کے "حکیم الامت" مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

"حضرت مسیح کو عیسائی خدا کی مثل یعنی خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ رب کا بیٹا بھی رب ہوگا، اس لئے یہ الزام ان پر درست ہے۔ یوں سمجھو کہ وہ لوگ اپنے پوپ و پادریوں کو عملاً رب سمجھتے کہ ان کے ساتھ رب کا سا معاملہ کرتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اعتقاداً اپنا رب مانتے تھے ... وَ مَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا اس فرمان عالیشان میں ان دونوں قوموں پر عتاب کا اظہار ہے، یعنی توراۃ وانجیل اور تمام آسمانی کتابوں میں ان لوگوں کو یہ

ہی حکم کیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ ہی کی عبادت کریں۔ انہوں نے اللہ کے مقابل دوسروں کو حرام وحلال کرنے کا مالک مان کر انہیں سجدے کر کے ان سے اپنے گناہ بخشوا کر ان کی عبادت کی، یعنی دلی اور اعتقادی عبادت لہٰذا انہوں نے ساری آسمانی کتابوں کی مخالفت کی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اس فرمان عالی میں واقعیت کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا واقعۃً کوئی لائق عبادت نہیں ہر قسم کی عبادت اسی کو لائق ہے، اعتقادی عبادت ہو یا بدنی یا مالی۔ سُبْحٰـنَـهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اس فرمان عالی میں یہود ونصاریٰ کو صراحۃً مشرک فرمایا گیا ہے اور ان کے مذکورہ عقیدوں کو شرک قرار دیا گیا۔'' (تفسیر نعیمی ۱۰/۲۴۶)

مفتی صاحب نے شاید انجانے میں یہاں یہ بھی تسلیم کر لیا کہ احبار ورہبان کو سجدے کر کے یہود ونصاریٰ نے اپنے علماء کی عبادت کی، تو آج جو لوگ اونچی قبروں کو اپنے سجدوں سے رونق بخشے ہوتے ہیں، وہ ان اونچی قبروں کی عبادت کرنے والے ''عبادالقبور'' کیوں نہیں؟

یہ بھی لکھا ہے:

''دون کے بہت معنی ہیں: دور، الگ، مقابل، کٹا ہوا'' سواء یہاں یا تو بمعنی مقابل ہے یا سواء'' (ایضاً)

مفتی نعیم صاحب کا یہ تسلیم کرنا کہ اس آیت میں ''دون'' سوا کے معنی میں ہے، اس بات کا اعتراف ہے کہ اس آیت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، دینی پیشواؤں اور عبادت گزاروں کو ''من دون اللّٰه'' یعنی ''اللہ کے سوا'' ہی قرار دیا گیا اور یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور اپنے نیک لوگوں کے ساتھ جو معاملہ اختیار کیا ہوا تھا اُسے شرک قرار دیا گیا۔ اگر وہ ''من دون اللّٰه'' نہ ہوتے تو یہ معاملہ شرک کیوں ہوتا؟

چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا

اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ ''تم فرماؤ اے کتابیو ں ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے یہ کہ عبادت نہ کریں مگر خدا کی اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا پھر اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں'' (آل عمران:٦٤، ترجمہ از احمد رضا خان صاحب)

١: نعیم الدین مراد آبادی صاحب نے ''اس کا شریک نہ کریں'' اور ''ایک دوسرے کو رب نہ بنالے'' کی تفسیر میں لکھا:

''نہ حضرت عیسیٰ کو نہ حضرت عزیر کو نہ اور کسی کو''، ''جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے احبار و رھبان کو بنایا کہ انہیں سجدے کرتے اور ان کی عبادتیں کرتے'' (خزائن العرفان)

٢: ان کے حکیم الامت گجراتی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

''خلاصہ یہ ہے کہ ہم رب کے سوا کسی کو نہ پوجیں انبیاء اولیاء سب کو اللہ کا بندہ سمجھیں ان میں سے کسی کو معبود نہ بنالیں اور کسی کو خدا کا شریک نہ سمجھیں نہ بتوں کو نہ چاند سورج کو نہ صلیب کو نہ کسی اور کو نیز کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا رب اور احکام کا مالک نہ بنائے۔ علماء صلحاء سب کو دین کا پیرو کار سمجھیں'' (تفسیر نعیمی ٣/٥١٠)

٣: ان کے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

''امام واحدی متوفی ٤٥٨ھ نے... لکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو رب نہ بنائے'' اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو رب بنایا اور بنو اسرائیل نے عزیر کو رب بنایا۔ (الوسیط ج ا ص ٤٤٧)'' (تبیان ٢/١٩٢)

اسی طرح سعیدی صاحب نے لکھا:

''(٣) اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ مانیں سو انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو رب مان لیا یعنی ان کے ساتھ رب کا معاملہ کیا، کیونکہ وہ چیزوں کو حلال اور حرام قرار دینے میں ان کی اطاعت کرتے تھے، نیز وہ اپنے راہبوں کو سجدہ کرتے تھے، اور یہ کہتے تھے جو راہب زیادہ مجاہدہ کرتا ہے اس میں لاہوت کا اثر حلول کر جاتا ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرنے اور مادر زاد

اندھوں کو بینا کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔" (حوالہ بالا ص ۱۹۳)

قارئین کرام! دیکھ لیجئے، خود نعیمی گجراتی صاحب نے اس مقام پر تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو "رب کے سوا" تسلیم کیا ہے۔ اسی کو قرآن مجید کے الفاظ میں "من دون اللّٰہ"، یعنی "اللہ کے سوا" کہا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف اس حقیقت کو مانتے نظر نہیں آتے۔ اسی طرح سعیدی صاحب نے بھی اپنی تفسیر میں نام لے کر سیدنا عیسیٰ وسیدنا عزیر علیہما السلام کو "من دون اللّٰہ" میں شامل رکھا اور علماء وراہبوں کو بھی، لیکن دوسری طرف انکار بھی کرتے ہیں۔ المختصر کہ اس آیت کی بریلوی تفاسیر سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام مخلوق خواہ وہ انبیاء علیہم السلام جیسی باعظمت شخصیات ہی کیوں نہ ہوں، "من دون اللّٰہ"، یعنی اللہ کے علاوہ ہی ہیں۔

پانچویں دلیل: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا﴾ "تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی بنا لیں گے بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کو جہنم تیار کر رکھی ہے"

(الکہف:۱۰۱، ترجمہ از احمد رضا خان صاحب)

۱: "عبادي" "میرے بندوں" کی تفسیر میں مرادآبادی صاحب نے لکھا:

"مثل حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر وملائکہ کے"

اور "میرے سوا حمایتی بنالیں گے" کی تفسیر میں لکھا:

"اور اس سے کچھ نفع پائیں گے یہ گمان فاسد ہے بلکہ وہ بندے ان سے بیزار ہیں اور بے شک ہم ان کے اس شرک پر عذاب کریں گے" (خزائن العرفان)

بندوں کو کارساز بنانا شرک ہے

الحمدللہ! مرادآبادی صاحب ایسے کٹر بریلوی کو بھی اعتراف کرنا پڑ گیا کہ بندوں کو کار

سازبناڈالناشرک ہے،خواہ وہ نیک بندے ہی کیوں نہ ہوں۔

۲: ابوالحسنات قادری صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

''یعنی بطور استفہام انکاری فرمایا کہ کیا یہ کافر یہ سمجھ رہے ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا ولی وکارساز وحاجت روا بنا لینا ان کے لئے کافی ہے۔ حالانکہ میرے بندوں سے حاجت روائی کی دعا کرانا بھی جب ہی فائدہ مند ہوسکتا ہے جب میری رضا ہو ورنہ وہ بھی دعا نہیں کر سکتے... بلکہ حقیقتاً اگر دیکھا جائے تو وہ خود میری عطا کے محتاج ہیں۔ ان کا مقرب و برگزیدہ ہونا تمہارے حق میں اتنا ہی فائدہ مند ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہیں جیسے عیسیٰ وموسیٰ و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام لیکن انہیں مستقل بالذات بلا رضا الٰہی کارساز ماننا یہ جہالت خالص ہے ایسے خیال والوں کے لئے ہمارے یہاں جہنم کی مہمانی ہے۔''

(تفسیر الحسنات ۳/۸۴۶)

قادری صاحب کی اس تفسیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ''دعا کرانے'' کی اجازت ثابت کرنا چاہتے تھے چونکہ انہوں نے خود نیک لوگوں سے حاجت روائی وکارسازی کے بجائے اس کے لئے ان سے دعا کرانے کی بات کی۔

رہا مسئلہ مستقل بالذات و بالعطاء کا تو ہم اپنی کتاب ''امت اور شرک کا خطرہ'' میں الحمدللہ دلائل سے اس بات کا ثبوت فراہم کر چکے ہیں کہ زمانہ قدیم کے مشرکین بھی ''عطائی'' قوت واختیارات کے مدعی تھے۔ دیکھئے ص ۶۹ تا ۷۱۔ پھر قادری صاحب نے یہ لکھا کہ ''ان کا برگزیدہ ہونا تمہارے حق میں اتنا ہی فائدہ مند ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہیں جیسے عیسیٰ و موسیٰ و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام'' مطلب اُن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ''ہی'' کا لفظ قابل غور ہے۔ اس کے باوجود اگر یہ اولیاء کرام کو حاجت روا کارساز، مشکل کشا اور فریادرس سمجھیں تو یہ اپنی ہی وضاحت وتفسیر سے انحراف کی واضح مثال ہوگی۔ الغرض کہ ''عطائی'' طور پر کارساز وحمایتی قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں۔

۳: ان کے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا:

''میرے بندوں سے مراد ہیں ملائکہ، حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ان کا گمان ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں گے اور میری عبادت کے بجائے ان کی عبادت کریں گے اور میں ان کو کوئی سزا نہیں دوں گا، یا ان کا یہ عمل ان کو نفع دے گا... ہم نے کافروں کی مہمانی کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔''

(تبیان القرآن ۷/ ۲۱۶)

مذکورہ بالا تینوں بریلوی اکابر اس بات پر متفق ہیں کہ ''عبــــادی''یعنی''میرے بندوں'' سے مراد سیدنا عیسیٰ، سیدنا عزیر اور ملائکہ ہیں۔قرآن مجید کی آیت زیر بحث میں ان کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''مـن دونـی''یعنی''میرے علاوہ''یا''میرے سوا'' کے الفاظ استعمال کیے اور جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو اپنا'' کارساز'' مطلب کام بنانے والا اور کام سنوارنے والا سمجھا اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب کی وعید سنائی۔اور انہیں'' حمایتی یا کارساز'' بنانے کو نعیم الدین صاحب مرادآبادی بھی غالباً انجانے میں ''شرک'' قرار دے کر اپنے ہی ایسے عقائد کا ابطال فرما گئے۔

ذرا سوچئے! جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام ایسی مقدس، مقرب و برگزیدہ شخصیات کو'' کارساز'' بگڑی بنانے والے سمجھا انہیں تو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وعید سنائی تو کیا جو بابا فرید، بابا علی ہجویری، بابا معین الدین چشتی وغیرہم کو اپنے''اولیاء''و'' کارساز'' بگڑی بنانے والے سمجھے تو اس کے لئے یہ وعید نہیں؟ انبیاء علیہم السلام کو کارساز بنانے والوں کے لئے تو وعید ہو اور امتیوں میں سے صالحین کو'' کارساز'' بنانے کے لئے کوئی وعید نہ ہو؟ اور قرآن مجید کی نص سے انبیاء علیہم السلام تو ''اللہ کے سوا'' ثابت ہوں مگر صاحبانِ مزارات نہ ہوں؟ یہ کیسی دینداری اور کیسا انصاف ہے؟ اور کیسی سوچ ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی سمجھ عطا فرمائے!

☆////////☆

عبدالرحمان اثری (حیدرآباد)

محدث العصر اور مسئلۂ تدلیس

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ والسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْأَمِيْنِ، أَمَّا بَعْدُ:

کسی سند میں بعض اوقات تمام راوی ثقہ وصدوق ہوتے ہیں، لیکن محدثین اسے ضعیف ہی شمار کرتے ہیں کیونکہ اس میں کوئی علت ہوتی ہے، مثلاً مدلس راوی کا عنعنہ وغیرہ۔ مدلس راوی ثقہ وصدوق ہونے کے باوجود اگر سماع کی صراحت نہیں کرے گا تو اس کی روایت ضعیف ہی متصور ہوگی۔

تدلیس کی چند درج ذیل اقسام ہیں:

تدلیس الاسناد: تدلیس الاسناد یہ ہے کہ راوی سند میں اپنے شیخ کو گرادے شیخ کے شیخ سے جس سے اس کی ملاقات ہوئی ہو، روایت بیان کرنا شروع کردے اور روایت بھی ایسے صیغے سے بیان کرے جس میں سماع کا احتمال موجود ہو، لیکن صراحت نہیں۔

تدلیس العطف: اس میں راوی دو یا زیادہ استادوں سے روایت بیان کرتا ہے، جبکہ سنا صرف ایک سے ہوتا ہے اور دوسرے کو اس پر عطف کے ساتھ جمع کر دیتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے دوسرے سے بھی سماعت کی ہے۔

تدلیس التسویہ: اس میں راوی اپنے شیخ سے اوپر کے کسی ضعیف راوی کو گرادیتا ہے۔

تدلیس الشیوخ: اس میں راوی اپنے شیخ کا وہ نام، لقب یا کنیت ذکر کرتا ہے جس سے عام لوگ ناواقف ہوتے ہیں۔

مدلسین کی "عن" والی روایات کو قبول کرنے کے حوالے سے اگرچہ مختلف اقوال ہیں، لیکن اس حوالے سے صحیح اور راجح موقف امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے جس کو محدثین نے اختیار کیا اور اسکے مقابلے میں طبقات والا موقف مرجوح ہے جیسا کہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنے بنائے طبقات کے خلاف جاتے نظر آتے ہیں اور بعد والوں نے بھی اس سلسلے میں

ان سے شدید اختلاف کیا ہے جس کی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم اور علماء

الشیخ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ:

الشیخ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کا میدانِ تحقیق میں ایک نام ہے انہوں نے بھی حافظ ابن حجر سے شدید اختلاف کیا ہے، آپ نے حسن بصری کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیا، حالانکہ وہ حافظ ابن حجر کے ہاں طبقہ ثانیہ کے مدلس ہیں۔

مثلاً دیکھئے: ارواء الغلیل (2ص 288ح505)

ابو قلابہ عبداللہ بن زید الجرمی جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک طبقہ اولیٰ کے ہیں انکی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: " إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ لِعَنْعَنَةِ أَبِي قِلَابَةَ وَهُوَ مَذْكُورٌ بِالتَّدْلِيْسِ " (حاشیہ صحیح ابن خزیمہ ج3 ص268 تحت ح2043)

حافظ ابن حجر نے حسن بن ذکوان، قتادہ اور محمد بن عجلان کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے، یعنی انکی معنعن روایات ضعیف ہیں، لیکن امام الالبانی نے انکی معنعن روایات کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے حسن بن ذکوان...... صحیح ابوداؤد (ج1 ص33 ح8) قتادہ رحمہ اللہ: الصحیحہ (ج4 ص202 ح 1647) ابن عجلان: الصحیحہ (ج3 ص101 ح1110)

ان مثالوں سے حافظ ابن حجر سے امام الالبانی کا طبقات کے سلسلے میں اختلاف کھل کر سامنے آ گیا۔

صاحب تحفۃ الاحوذی، عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ

عبدالرحمان محدث مبارکپوری رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی کی عن والی روایت پر جرح کی ہے، جبکہ وہ عندالحافظ طبقہ ثانیہ کے مدلس ہیں کی عن والی روایت پر جرح کی ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے ابکار المنن (ص214)

فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

ابراہیم نخعی ،سلیمان الاعمش دونوں حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم کے مطابق طبقہ ثانیہ کے ہیں، لیکن الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے انکی معنعن روایات پر جرح کی اوران روایات کوغیر صحیح قرار دیا ہے۔ ابراہیم نخعی (توضیح الکلام ج2ص758)
سلیمان بن مہران الاعمش (توضیح الکلام ج 2ص765)

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم کلی طور پر درست نہیں اور نہ اسے تلقی بالقبول حاصل ہے۔

استاد محترم فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے بارے میں پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حدیث کے جس بہت بڑے مجموعے پر عمل ہوتا رہا اسے ضعیف قرار دیدیا۔ تدلیس کے معاملے میں سختی کی اورکئی ایک وہ احادیث جوامام البانی رحمہ اللہ ودیگر علماء کی تحقیق سے صحیح قرار پا چکی تھیں انہیں ضعیف قرار دیدیا، یعنی انکا مقصد ہی احادیث کوضعیف قرار دیکرنا قابل عمل بنانا تھا۔معاذ اللہ

حقیقت یہ ہے کہ استاد محترم نے سلف صالحین کے بنائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں احادیث پرصحت یا ضعف کا حکم انتہائی غیر جانبداری سے لگایا ہے، یہی وجہ ہے کہ کہیں بھی انہیں کسی حدیث یا راوی کے بارے میں اپنی تحقیق مرجوح معلوم ہوئی تو علانیہ حق کی طرف رجوع کیا۔

وہ توصحیح احادیث کا دفاع کرنے والے تھے،اسکی بہترین مثال یہ ہے کہ انہوں نے صحیحین کا زبردست دفاع کیا اورہمیں صحیحین کے حوالے سے عظیم الشان منہج دیا، بڑے واشگاف الفاظ میں لکھ گئے ہیں کہ " صحیحین کا دفاع میرے ایمان کا حصہ ہے "

اللہ اکبر!اس سے بڑھ کراور دفاعِ حدیث کیا ہوسکتا ہے۔

قارئین کرام! تدلیس کی بنا پر راوی کی معنعن روایت کوضعیف قرار دیا جاتا ہے

جیسا کہ پاکستان کے نامور محقق فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں "اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ مدلس کی معنعن روایت قبول نہیں "

(توضیح الاحکام ج2 ص765 دوسرانسخہ 1030)

حافظ ابن حجر نے مدلس رواۃ پر طبقات المدلسین کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

استاذ محترم نے اس پر الفتح المبین کے نام سے عظیم الشان تحقیق و تعلیق لکھی ہے۔ راقم نے جب اس کو پڑھا تو معلوم ہوا حافظ ابن حجر کی طبقات المدلسین کے 42 راوی ایسے ہیں جن پر تدلیس کا الزام ہی غلط ہے۔

جن اقوال کے ذریعے سے بعض راویوں پر تدلیس کا الزام لگایا جاتا ہے جب استاذ محترم نے ان کی تحقیق کی تو ثابت ہوا وہ اقوال ان محدثین سے ثابت ہی نہیں جن کی بنیاد پر اس راوی کو مدلس قرار دیا گیا ہے یا پھر اسے مدلس قرار دینے والے محدث ان علماء میں سے ہیں جو تدلیس اور ارسال کو ایک چیز گردانتے ہیں، اس طرح وہ ثقہ وصدوق راوی تدلیس سے بری ٹھہرا، یعنی اسکی "عن " والی احادیث کا مجموعہ جس کو ضعیف تصور کرلیا گیا تھا وہ بھی صحیح قرار پایا۔

قارئین کرام! ان 42 میں سے پانچ رواۃ تو ایسے ہیں جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک طبقہ ثالثہ کے ہیں، یعنی ان پانچ محدثین کی معنعن روایات طبقات ابن حجر ماننے والوں کے نزدیک ضعیف ہی ہیں۔ اللہ رب العالمین استاد محترم کی قبر کو نور سے منور فرمائے، ان پر اپنی رحمت کی بارشیں نازل کرے، ان کیلئے اس خدمتِ حدیث کو ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

انہوں نے ان پانچ محدثین کو تدلیس سے بری قرار دیا اس سے ان تمام کی معنعن روایات کا مجموعہ بھی قابل عمل ٹھہرا جسے مردود تصور کرلیا گیا تھا۔

قارئین کرام! جب استاد محترم کے نزدیک کوئی بھی راوی تدلیس سے بری ہو جاتا ہے تو اس پر انکا انداز بھی قابل دید ہوتا ہے۔ راقم اسکی بھی مثال بیان کرے گا، یہ صرف صحیح

حدیث سے محبت کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر کی طبقات المدلسین کے طبقہ ثالثہ (جس طبقہ کے راوی کی معنعن روایت طبقات کے ماننے والوں کے نزدیک بھی ضعیف ہوتی ہے) سے ان پانچ ثقہ محدثین کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے جنہیں استاد محترم نے تدلیس سے بری قرار دیا ہے۔

1: احمد بن عبدالجبار العطاردی

آپ جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں اس پر تفصیلی مضمون شیخ زبیر رحمہ اللہ کی کتاب علمی مقالات جلد 4 ص 392 میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے آپ کو طبقات المدلسین میں طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے، حالانکہ التقریب میں آپکو ضعیف بھی قرار دیا ہے، اس لحاظ سے طبقات المدلسین میں انھیں طبقہ ثالثہ نہیں خامسہ ملنا چاہیے تھا۔

استاد محترم شیخ زبیر رحمہ اللہ اپنے مذکورہ مضمون میں فرماتے ہیں:

''فائدہ: تحریر تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر کا رد کیا گیا ہے اور احمد بن عبدالجبار کو ''بل: **صدوق حسن الحديث ربما خالف**'' قرار دیا گیا ہے۔

(دیکھئے مقالات ج1 ص67۔68، مقالات ج 4 ص395)

2: محمد بن عیسٰی بن نجیح

ثقہ محدث ہیں، سنن نسائی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں صحیح بخاری میں انکی روایات معلقاً مروی ہیں۔ انہیں طبقات المدلسین میں تیسرے طبقے میں ذکر کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''**قال صاحبه أبو داؤد: كان مدلسًا وكذا وصفه الدارقطني**''

(طبقات المدلسین)

انہیں علامہ علائی، ابوزرعہ العراقی، سیوطی، الحلبی، الدمینی اور ابن طلعت نے مدلسین میں شمار کیا ہے۔

شیخ زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام ابوداود سے ان کی تدلیس کا معاملہ ابوعبید محمد بن علی بن عثمان الاجری نے سؤالات الآجری (1737) میں نقل کیا ہے اور آجری خود مجہول الحال

ہے لم أجد من وثقه اس کی توثیق کہیں سے بھی نہیں ملی، لہٰذا اسے مدلس قرار دینا: ''وهذا لم يثبت عن أبي داؤد'' امام ابوداود سے ثابت نہیں۔

شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ امام دارقطنی والی بات کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''وقول الدارقطني لم يثبت عنه أيضًا ''ان کو مدلس قرار دینے کے لحاظ سے دارقطنی کا قول بھی ثابت نہیں۔

آخر میں فرماتے ہیں: قلت :وهو بريء من التدليس (الفتح المبین:118)

محمد بن عيسى بن نجيح تدلیس سے بری ہیں۔

3: مروان بن معاویہ الفزاری

آپ ثقہ محدث، صحیحین اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' كان مشهورًا بالتدليس وكان يدلس الشيوخ أيضًا وصفه الدارقطني بذالك'' (طبقات المدلسین:124)

آپ تدلیس الاسناد اور تدلیس الشیوخ کرتے تھے ان کو امام دارقطنیؒ نے تدلیس سے متصف قرار دیا ہے۔

استاد محترم فرماتے ہیں: ''سأل عباس الدوری يحيى بن معين عن حديث رواه مروان بن معاوية عن علي بن أبي الوليد فقال:هذا علي بن الغراب''

(تاریخ الدوری:2843)

''يعني أنه كان يدلس تدليس الشيوخ ولم يثبت عنه تدليس الإسناد فهوبريء من التدليس وقول الحافظ ابن حجر فيه مرجوح''

یہ تدلیس الشیوخ کرتے تھے، ان سے تدلیس الاسناد ثابت نہیں ہے اور یہ تدلیس (مضر) سے بری تھے۔ حافظ ابن حجر کی رائے مرجوح ہے۔

اسکے بعد محمد بن طلعت کی رائے ذکر کرتے ہیں: ''فَالصَّوَابُ أَنَّ مَرْوَانَ يُدَلِّسُ الشُّيُوْخَ فَقَطْ وَهَذَا النُّوْعُ مِنَ التَّدْلِيْسِ لَايُنْظَرُ فِيْهِ إِلَى عَنْعَنَةِ الْمُدَلِّسِ وَإِنَّمَا

يُنْظَرُ إِلَى أَسْمَاءِ شُيُوْخِهِ...'' معجم المدلسین (ص443) قُلْتُ (شَيْخ زُبِيْر رَحِمَهُ اللّٰه) أَصَابَ فِيْمَا اَرٰى وَلِلتَّحْقِيْقِ مَيْدَانٌ وَاسِعٌ.

درست بات یہ ہے کہ مروان صرف تدلیس الشیوخ کرتا تھا اور تدلیس کی یہ جو قسم ہے اس میں مدلس کے عنعنہ کو نہیں دیکھا جائے گا، اس میں اس کے شیوخ کے ناموں کی طرف دیکھا جائے گا۔

استاد محترم آخر میں فرماتے ہیں: میرے خیال میں محمد بن طلعت کی بات ہی درست ہے۔ باقی تحقیق کا میدان بڑا وسیع ہے۔

4: مکحول الشامی

آپ شہور تابعی ہیں۔ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں، طبقات المدلسین میں آپ کو تیسرے طبقے میں لایا گیا ہے، اس لحاظ سے آپ کی صحیح مسلم کے علاوہ باقی تمام معنعن روایات ضعیف ٹھہریں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَصَفَهُ بِذَلِكَ ابْنُ حِبَّانَ وَأَطْلَقَ الذَّهْبِيُ أَنَّهُ كَانَ يُدَلِّس وَلَمْ أَرَهُ لِلْمُتَقَدِّمِيْنَ اِلاَّ فِيْ قَوْلِ ابْنِ حِبَّانَ. (طبقات المدلسین)

ان کو تدلیس سے متصف امام ابن حبان نے قرار دیا ہے اور ذہبی نے بھی مطلقا کہا ہے کہ یہ تدلیس کرتے تھے۔ میں نے متقدمین میں انکے مدلس ہونے کے بارے میں ابن حبان کے قول کے علاوہ اور کسی کا قول نہیں دیکھا۔

ان کو مدلس شمار کرنے والوں میں علامہ علائی، ابوزرعہ، ابن العراقی ذہبی، دمینی اور ابن طلعت کے نام آتے ہیں۔

استاد محترم شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بِأَنَّ الْإِمَامَ ابْنَ حِبَّانَ يُطْلِقُ التَدْلِيْسَ عَلٰى الْإِرْسَالِ وَ قَوْلُ الْذَهْبِي فِيْ مِيْزَانِ الْإِعْتِدَالِ (4/177) يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْتَدْلِيْسَ وَ الْإِرْسَالَ شَيْءٌ وَاحِدٌ عِنْدَ الْحَافِظِ الْذَهْبِي. قُلْتُ فَلَمْ يَثْبُتْ تَدْلِيْسُ مَكْحُوْلٍ رَحِمَهُ اللّٰهَ إِنَّمَا هُوَ إِرْسَالٌ عَنْ كِبَارِ الصَّحَابَةِ، وَ اللّٰهُ أَعْلَمُ

قُلْتُ وَ هُوَ بَرِيْءٌ مِّنَ التَّدْلِيْسِ عَلَى الرَّاجِحِ . وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ . "

کہ امام ابن حبان تدلیس کا لفظ ارسال پر بولتے تھے۔امام ذہبی کا میزان الاعتدال میں قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ تدلیس اور ارسال حافظ ذہبی کے ہاں ایک ہی چیز ہے۔ میں کہتا ہوں مکحول رحمہ اللہ سے تدلیس کرنا ثابت نہیں وہ تو کبار صحابہ سے ارسال کرتے تھے۔ واللہ اعلم

میرے نزدیک راجح قول کے مطابق وہ تدلیس سے بری تھے۔والحمد للہ

5: ابو عبیدۃ بن عبداللہ بن مسعود

آپ ثقہ امام صحیحین کے ساتھ ساتھ سنن اربعہ کے بھی راوی ہیں۔حافظ ابن حجر نے آپ کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے، یعنی صحیحین کے علاوہ باقی کتابوں میں آپکی معنعن روایات ضعیف قرار پائیں گی، الا یہ کہ کہیں سماع کی صراحت یا صحیح شاہد موجود ہو۔

استاد محترم شیخ زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وهو بری من التدليس .

کہ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود تدلیس سے بری تھے۔

قارئین کرام! یہ طبقات المدلسین کے طبقہ ثالثہ کے وہ پانچ رواۃ ہیں جن کی معنعن روایات حافظ ابن حجر اور ان کے طبقات کو ماننے والوں کے نزدیک ضعیف قرار پا چکی تھیں۔ استاد محترم حافظ زبیر رحمہ اللہ نے تحقیق کر کے ان پانچوں محدثین کو تدلیس سے بری قرار دیا جس سے ان کی معنعن روایات صحیح و قابل عمل قرار پائیں یہ تو طبقہ ثالثہ کی بات ہے ورنہ پورے طبقات المدلسین میں جن کو مدلس قرار دیا گیا اور استاد محترم کے نزدیک وہ تدلیس سے بری ہیں۔ان کی تعداد بیالیس ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جب استاد محترم کے نزدیک کوئی ثقہ محدث تدلیس سے بری قرار پاتا ہے تو اس وقت آپ اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتے نظر آتے ہیں، جیسا کہ امام مکحول الشامی کے ترجمہ میں ہم دیکھ چکے ہیں۔انکے علاوہ احمد بن عبداللہ احمد بن اسحاق الاصبہانی، زید بن اسلم العمری، عبدربہ بن نافع کے ترجمہ میں فهو بریء من التدليس یا

اس جیسا جملہ کہنے کے بعد والحمدللہ کا جملہ ادا کر کے اللہ رب العالمین کا شکرادا کیا ہے۔

استادمحترم کا یہ انداز اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ صحیح احادیث اور ثقہ محدثین سے بے پناہ محبت کرتے تھے انکا مقصد احادیث کو ضعیف قرار دینا نہیں بلکہ انکا مقصد دفاعِ حدیث ہی تھا۔

استادمحترم نے تدلیس کے مسئلے میں کوئی سختی نہیں کی انہوں نے سلف صالحین سے اصول لیے، پھران کی روشنی میں رواۃ اوراحادیث پر حکم لگایا تدلیس کے مسئلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا فیصلہ کن قول موجود ہے جسے شیخ زبیرعلی زئی رحمہ اللہ نے اختیار کیا۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"فَقُلْنَا : لاَ نَقْبُلُ مِنْ مُدَلِّسٍ حَدِيْثًا حَتَّى يَقُوْلَ فِيْهِ: حَدَّثَنِي أَوْ سَمِعْتُ". (کتاب الرسالۃ 53)

ہم مدلس سے اس وقت تک کوئی بھی حدیث قبول نہیں کرتے جب تک وہ (تصریح سماع) حدثنی یا سمعت نہ کہے۔

شیخ زبیر رحمہ اللہ اس موقف کو اختیار کرنے والے اکیلے نہیں ہیں، ان سے صدیوں پہلے آنے والے امام ابن حبان امام شافعی کے بتائے اس اصول کے بارے میں فرماتے ہیں:"فَمَالَمْ يَقُلِ الْمُدَلِّسُ وَ إِنْ كَانَ ثِقَةً : حَدَّثَنِي أَوْ سَمِعْتُ فَلَا يَجُوْزُ الْاِحْتِجَاجُ بِخَبَرِهٖ وَ هٰذَا أَصْلُ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ إِدْرِيْسَ الشَّافِعِي رَحِمَهُ اللّٰه وَ مَنْ تَبِعَهٗ مِنْ شُيُوْخِنَا ." (کتاب المجروحین ج 1 ص92)

قارئین کرام! تدلیس کے مسئلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے اصول کواپنانے والوں کی ایک طویل فہرست ہے، اس کے مقابلے میں طبقات کو ماننے والوں کے منہج میں تضادنظر آتا ہے۔کہیں تو حافظ ابن حجر کے طبقات کی بڑی شدومد سے تلقین کرتے نظر آتے ہیں اور کہیں انہیں طبقات کوغلط بھی قرار دے دیتے ہیں، کہیں تو تدلیس کے حوالے سے بڑے نرم مزاج نظر آتے ہیں کہ ان رواۃ کی تدلیس ان کے ہاں مقبول ٹھہرتی ہیں جو اپنے نزدیک ضعفاء سے تدلیس کرتے تھے یا جنہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبقات میں طبقہ ثالثہ الاٹ

کیا (مثلاً امام زہری رحمہ اللہ) انکے ہاں وہ رواۃ بھی غیر مدلس قرار پائے اور انکی معنعن مرویات بھی مقبول قرار پائیں کہیں یہی نرم مزاج تدلیس کے مسئلے میں فولاد بن گئے کہ مدلس کی ''عن'' کی وجہ سے صحیح مسلم کی روایات (جن کو بلحاظِ صحت تلقی بالقبول حاصل ہے) کو بھی ضعیف قرار دے دیا غیر مدلس یا بریء من التدلیس رواۃ (ابوقلابہ وغیرہ) کی معنعن احادیث کو ضعیف قرار دے دیا۔

قارئین کرام! استاد محترم رحمہ اللہ نے تدلیس اور طبقات کے حوالے سے بہترین منہج اختیار کیا بڑا آسان کر کے اسکو دوسروں کو سمجھایا۔ حقیقت پوچھیں تو استاد محترم کے مضبوط دلائل پڑھ کر شرح صدر ہو چکا ہے، والحمدللہ اور ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی غیر جانبدار ہو کر استاد محترم کے اس سلسلے میں لکھے گئے مضامین اور شیخ صدیق رضا حفظہ اللہ کا مقالات اثریہ پر لکھا ہوا رد پڑھ لے تو وہ یقیناً استاد محترم کے منہج کو اختیار کر لے گا، ان شاء اللہ۔ جیسا کہ پاکستان کے دیگر بڑے علماء الشیخ مبشر احمد ربانی، الشیخ داود ارشد، الشیخ عمر صدیق اور الشیخ یحییٰ عارفی حفظہم اللہ نے اختیار کر لیا، لیکن شرط یہ ہے کہ استاد محترم کی وہ مخالفت قلوب و اذہان سے نکال دی جائے جس کی طرف شیخ الحدیث المحدث رفیق الاثری حفظہ اللہ نے جناب یونس اثری کی طرف سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ...... ''اگرچہ بہت سے لوگ (جن میں غیروں کے علاوہ اپنے بھی پیش پیش تھے) انکے پیچھے پڑے ہوئے تھے لیکن وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے مستحکم دلائل کے ساتھ اچھے انداز میں جواب دیتے تھے۔''

(سہ ماہی البیان کراچی سلسلہ نمبر 8 ص 12، 13)

اللہ رب العالمین توفیق سے نوازے۔ آمین

☆//////☆

حافظ زبیر علیزئی رحمہ اللہ

انوار السنن فی تحقیقِ آثار السنن

(۲۱)

۲۴۲) وَعَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ بِلالاً رضي الله عنه كَانَ يُؤَذِّنُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَثْنٰى مَثْنٰى وَ يُقِيمُ مَثْنٰى مَثْنٰى . رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالطَّبْرَانِيُّ وَفِي إِسْنَادِهِ لِيْنٌ .

اورعون بن ابی جحیفہ (رحمہ اللہ) سے روایت ہے، وہ اپنے ابا (ابوجحیفہ وہب رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بلال (رضی اللہ عنہ) دہری اذان اور دہری اقامت کہتے تھے۔

اسے دارقطنی (۱/۲۴۲ ح ۹۲۸) اور طبرانی (المعجم الکبیر ۲۲/۱۰۱ ح ۲۴۶) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کا ضعف خود نیموی صاحب نے واضح کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زیاد بن عبداللہ البکائی اگر محمد بن اسحاق سے روایت کریں تو صدوق (حسن الحدیث) ہیں اور اگر دوسروں سے روایت کریں تو ان کی روایت میں ضعف ہوتا ہے۔

دیکھئے التعلیق الحسن (ص ۱۱۴) یہ دوسروں (ادریس بن یزید الاودی) سے روایت ہے۔

۲۴۳) وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه أَنَّهُ كَانَ إِذَا لَمْ يُدْرِكِ الصَّلٰوةَ مَعَ الْقَوْمِ أَذَّنَ وَ أَقَامَ وَ يُثْنِي الْإِقَامَةَ . رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ .

اور یزید بن ابی عبید (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ جب امام کے ساتھ نماز نہ پاتے تو اذان اور اقامت کہتے اور دہری اقامت کہتے تھے۔

اسے دارقطنی (۱/۲۴۱ ح ۹۲۰) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوارالسنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں ایک راوی محمد بن سعدان ہے جسے صرف ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور ابو حاتم الرازی نے کہا: "شیخ" (دیکھئے میزان الاعتدال ۲/ ۳۸۵)

لہٰذا یہ مجہول الحال راوی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۰۶ ح ۲۱۳۸) میں اس کا ایک ضعیف شاہد ہے جس میں ابراہیم بن اسماعیل (ابن مجمع) مشہور ضعیف ہے۔

۲۴۴) وَعَنْ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ ثَوْبَانُ رضی اللہ عنہ يُؤَذِّنُ مَثْنٰى وَ يُقِيْمُ مَثْنٰى . رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَهُوَ مُرْسَلٌ .

اور ابراہیم (بن یزید النخعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ثوبان رضی اللہ عنہ دہری اذان اور دہری اقامت کہتے تھے۔

اسے طحاوی (۱/ ۱۳۶) نے روایت کیا ہے اور یہ مرسل ہے۔

انوارالسنن: اس کی سند ضعیف منقطع ہے۔

اس کی سند میں حماد بن ابی سلیمان مختلط اور مدلس ہیں۔ (دیکھئے حدیث سابق: ۲۴۰)

لہٰذا یہ روایت ابراہیم نخعی سے بھی ثابت نہیں اور فرضِ محال ثابت بھی ہوتی تو نیموی صاحب کے اعتراف سے مرسل (یعنی منقطع) ہے۔

نیموی صاحب نے لکھا ہے: ابراہیم نے ثوبان کو نہیں پایا۔ (التعلیق الحسن ص ۱۱۵)

سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے اکہری اقامت ثابت ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ دیکھئے حدیث: ۲۳۹۔ ۲۴۰ کا حاشیہ

ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ عروہ (بن الزبیر رحمہ اللہ) دہری اذان اور اکہری اقامت کہتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۵ ح ۲۱۳۱ وسندہ صحیح)

۲۴۵) وَعَنْ فِطْرِ بْنِ خَلِيْفَةَ عَنْ مُجَاهِدٍ ذُكِرَ لَهُ الْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ هٰذَا شَيْءٌ قَدِاسْتَخَفَّتْهُ الْأُمَرَاءُ ، الْإِقَامَةُ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ . رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ

وَ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَ الطَّحَاوِيُّ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ .

اورفطر بن خلیفہ (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ مجاہد (بن جبر تابعی رحمہ اللہ) کے سامنے ایک دفعہ اقامت کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ ایک چیز ہے جسے حکمرانوں نے ہلکا سمجھا ہے۔ اقامت تو دودودفعہ ہے۔

اسے عبدالرزاق (۱/۴۶۳ ح ۱۷۹۳) ابوبکر بن ابی شیبہ (۱/۴۲۵) اورطحاوی (۱/۱۳۶) نے اسے روایت کیا ہےاوراس کی سند صحیح ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الصَّلٰوةِ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ

الصلوٰۃ خیر من النوم سے متعلق باب

۲۴۶) عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ فِيْ أَذَانِ الْفَجْرِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ قَالَ الصَّلاَةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ . رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ .

انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مؤذن فجر کی اذان میں حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہے تو سنت یہ ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہے۔

اسے ابن خزیمہ (۱/۲۰۲ ح ۳۸۶) دارقطنی (۱/۲۴۳ ح ۹۳۳) اوربیہقی (۱/۴۲۳) نے روایت کیا ہےاوربیہقی نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔

انوارالسنن: اس کی سند صحیح ہے۔

عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں: ''اوراصولِ حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی صحابی کسی عمل کو سنت کہے تو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے'' (توضیح السنن ۱/۵۵۶)

ملا علی قاری نے کہا: جب صحابی (کسی امرکو) سنت کہتے ہیں تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر محمول کیا ہے! (شرح النقایہ ۱/۱۶۱)

تنبیہ: آج کل بعض علماء نے ایک نیا مسئلہ نکالا ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم تو رات کی اذان میں ہے جو بلال رضی اللہ عنہ دیتے تھے اور صبح کی اذان میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اس صحیح حدیث کے مقابلے میں ان بعض علماء کا قول مردود ہے۔ سلف صالحین میں سے ان بعض کا مؤید ایک بھی نہیں ہے۔

یاد رہے کہ صبح کی دو اذانیں ہوتی ہیں: ایک عام اذان اور دوسری اقامت

اذانِ اول من الصبح سے مراد پہلی اذان ہے، اقامت نہیں، لہٰذا صبح کی دوسری اذان یعنی اقامت میں یہ الفاظ نہیں کہنے چاہئیں۔ کسی ایک حدیث میں بھی یہ نہیں آیا کہ یہ الفاظ رات کی اذان میں کہنے چاہئیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تو یہ تھا کہ آپ جب رات کو (تہجد کی) نماز کے لئے اٹھتے اور وضو کر کے تشریف لاتے تو آہستہ آواز سے سلام کہتے تھے، تاکہ بیدار سن لے اور سویا سوتا رہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۲۰۵۵ [۵۳۶۲])

۲۴۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ الْاَذَانُ الْأَوَّلُ بَعْدَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ أَخْرَجَهُ السَّرَّاجُ وَالطَّبَرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَ قَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيْصِ (۱/ ۲۰۱) وَسَنَدُهُ حَسَنٌ .

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (فجر کی) پہلی اذان میں حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کے بعد دو دفعہ الصلوٰۃ خیر من النوم ہے۔ اسے (ابو العباس) السراج (الثقفی / مسند السراج قلمی ص۲۲ ب) طبرانی (؟) اور بیہقی (۱/۴۲۳) نے روایت کیا ہے اور حافظ (ابن حجر) نے التلخیص (الحبیر ۱/۲۰۱) میں کہا: اور اس کی سند حسن ہے۔

۲۴۸) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ السَّائِبِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي وَأُمُّ عَبْدِ الْمَلِكِ ابْنِ أَبِي مَحْذُوْرَةَ عَنْ أَبِي مَحْذُوْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ حُنَيْنٍ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ وَ فِيْهِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ .

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ أَبُوْ دَاوُدَ مُخْتَصَرًا وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

اورعثمان بن السائب رضی اللہ عنہ (!، رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ مجھے میرے ابا اور اُم عبدالملک بن ابی محذورہ (دونوں) نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے روانہ ہوئے، پھر انھوں نے حدیث بیان کی اور اس میں یہ بھی ہے کہ حی علی الفلاح حی الفلاح، الصلوٰۃ خیر من النوم، الصلوٰۃ خیر من النوم۔

اسے نسائی (۲/ ۷ ح ۶۳۴) اور ابوداود (۵۰۱) نے مختصراً بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ (۱/ ۲۰۱ ح ۳۸۵) نے اسے صحیح کہا ہے۔

انوارالسنن: اس کی سند حسن ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ عمر رضی اللہ عنہ نے اذان میں شامل کئے تھے۔ (موطأ امام مالک ۱/ ۷۲ ملخصاً)

اس کی سند مجہول مبلغ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۰۸ ح ۲۱۵۹) میں اس کا ایک ضعیف شاہد ہے جس میں اسماعیل مجہول ہے۔

احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں یہ اضافہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لہٰذا رافضیوں کا اس سلسلے میں سیدنا امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا مردود ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی (صبح کی) اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۸ ح ۲۱۶۰ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے (اتباعِ سنت کے جذبے سے) اپنے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ فجر میں جب تم حی علی الفلاح پر پہنچو تو الصلوٰۃ خیر من النوم کہو۔

(سنن دارقطنی ۱/ ۲۵۰ ح ۹۳۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/ ۴۲۳ وسندہ حسن)

بَابُ فِيْ تَحْوِيْلِ الْوَجْهِ يَمِيْنًا وَّ شِمَالاً

دائیں اور بائیں طرف چہرہ پھیرنے کا بیان

۲۴۹) عَنْ أَبِيْ جُحَيْفَةَ اَنَّهٗ رَاٰی بِلَالًا رضی اللہ عنہ يُؤَذِّنُ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَ هٰهُنَا بِالْاَذَانِ اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ .

ابو جحیفہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اُنھوں نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہتے ہوئے دیکھا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا اُن کا منہ (چہرہ) اذان کے ساتھ اِس طرف اور اُس طرف جاتا تھا۔

انوار السنن: صحیح مسلم: ۵۰۳، صحیح البخاری: ۱۸۷

۲۵۰) وَ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ بِلَالًا رضی اللہ عنہ خَرَجَ اِلَى الْاَبْطَحِ فَأَذَّنَ فَلَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ لَوّٰى عُنُقَهٗ يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا وَّ لَمْ يَسْتَدِرْ . رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ .

اور انھی (ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ ابطح (ایک جگہ) کی طرف نکلے، پھر انھوں نے اذان کہی، جب حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنی گردن کو دائیں اور بائیں طرف پھیرا اور خود (جسم کے ساتھ) نہ پھرے۔

اسے ابوداود (۵۲۰، اور امام مالک: ۵۰۳) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

۲۵۱) وَ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ بِلَالًا يُّؤَذِّنُ وَ يَدُوْرُ وَ يَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَ هٰهُنَا وَ اِصْبَعَاهُ فِيْ أُذُنَيْهِ . رَوَاهُ التِّرْمَذِيُّ وَ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ عَوَانَةَ وَ قَالَ التِّرْمَذِيُّ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ .

اور انھی (سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے بلال (رضی اللہ عنہ) کو اذان کہتے ہوئے

اور پھرتے ہوئے دیکھا، آپ اپنا منہ اِس طرف اور اُس طرف لے جاتے تھے اور آپ کی دونوں انگلیاں کانوں میں تھیں۔

اسے ترمذی (۱۹۷) احمد (۴/ ۳۰۸) اور ابوعوانہ (۱/ ۳۲۹) نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے فرمایا: ''حدیث حسن صحیح''

انوار السنن: یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث کی اصل متفق علیہ (بخاری: ۶۳۴، مسلم: ۵۰۳) ہے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ عِنْدَ سِمَاعِ الْأَذَانِ

باب: اذان سنتے وقت کیا کہے؟

۲۵۲) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((**إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَآءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ .**)) رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ .

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے۔''

اسے جماعت (بخاری: ۶۱۱، مسلم: ۳۸۳، ابو داود: ۵۲۲، ترمذی: ۲۰۸، ابن ماجہ: ۷۲۰، نسائی ۲/ ۲۳ ح ۶۷۴، احمد ۳/ ۹۰) نے روایت کیا ہے۔

۲۵۳) وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((**إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ**

مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ .)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ أَبُوْدَاوُدَ .

اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہے تو تم میں سے جو شخص اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہے۔ پھر مؤذن اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو یہ بھی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، پھر مؤذن اشھد ان محمداً رسول اللہ کہتا ہے تو یہ بھی اشھد ان محمداً رسول اللہ کہتا ہے پھر مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے تو یہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتا ہے، پھر مؤذن حی علی الفلاح کہتا ہے تو یہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتا ہے۔ پھر مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہے تو یہ بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہے۔ پھر مؤذن لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو یہ بھی خلوصِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے۔ یہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔

اسے مسلم (۳۸۵) اور ابوداود (۵۲۷) نے روایت کیا ہے۔

انوارالسنن: یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۲۲۸

۲۵۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَ أَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ.)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم مؤذن کو (اذان کہتے ہوئے) سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے، پھر میرے لئے جنت میں ایک مقام: وسیلہ کی دعا کرو، یہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا، پس جس نے میرے لئے وسیلے کی دعا کی تو اس کے لئے (میری) شفاعت حلال ہے۔''

اسے مسلم (۳۸۴) نے روایت کیا ہے۔

انوارالسنن: اذان کے بعد درود پڑھنا بلند آواز سے اذان کی طرح ثابت نہیں ہے اور

اذان سے پہلے تو کسی قسم کے درود وسلام کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

بَابُ مَايَقُوْلُ بَعْدَ الْاَذَانِ

باب: اذان کے بعد کیا کہے؟

۲۵۵) عَـنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((**مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَآءَ أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَ الصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَ الْفَضِيْلَةَ وَ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .**)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اذان سنے (پھر یہ) پڑھے: **أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ ......وَعَدْتَّهُ** .اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہے۔''

اسے بخاری (۶۱۴) نے روایت کیا ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ أَذَانِ الْفَجْرِ قَبْلَ طُلُوْعِهٖ

طلوعِ فجر سے پہلے اذانِ فجر دینے کے بارے میں باب

۲۵۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : ((**أَنَّ بِلَالًا يُّنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ.**)) رَوَاهُ الشَّيْخَانِ .

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک بلال (رضی اللہ عنہ) رات کو اذان دیتے ہیں، لہٰذا اس وقت تک کھاؤ اور پیو جب تک ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) اذان دیں۔''

اسے شیخین (بخاری: ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۳، مسلم: ۱۰۹۲) نے روایت کیا ہے۔

۲۵۷) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((**لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ مِّنْ سُحُوْرِهٖ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَآئِمُكُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمُكُمْ.**)) أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ.

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بلال کی اذان تمھیں سحری (کھانے) سے نہ روکے کیونکہ وہ رات کو اذان دیتے ہیں، تاکہ تمھارا قیام کرنے والا لوٹ جائے اور سویا ہوا (سحری کے لئے) بیدار ہو جائے۔''

اسے شیخین (بخاری:۶۲۱، مسلم:۱۰۹۳) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ (رمضان میں) سحری کے وقت رات کی اذان دیتے تھے، لہٰذا اسے صبح کی پہلی اذان کہنا غلط ہے، سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صبح کی اذان دیتے تھے، لہٰذا اسے رات کی اذان کہنا غلط ہے۔

۲۵۸) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا ﷺ يَقُوْلُ: ((**لَا يَغُرَّنَّ أَحَدَكُمْ نِدَآءُ بِلَالٍ مِّنَ السُّحُوْرِ وَلَا هٰذَا الْبَيَاضُ حَتّٰى يَسْتَطِيْرَ**)).
رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے محمد ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے کسی کو بلال (رضی اللہ عنہ) کی اذانِ سحری دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ یہ سفیدی سوائے اس کے کہ (دونوں طرف) پھیل جائے یعنی صبح صادق ہو جائے۔''

اسے مسلم (۱۰۹۴) نے روایت کیا ہے۔

☆//////☆

- قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری
- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
- سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب
- علمی، تحقیقی و معلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
- متانت کے ساتھ بہترین و با دلائل رد
- دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
- سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
- صحیح و حسن روایات
- اتباع کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
- مخالفین کتاب وسنت اور اہل باطل پر علم و
- اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
- قرآن وحدیث کے ذریعے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ''الحدیث'' حضرو کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ اور مفید مشورے کا قدر وتشکر

www.zubairalizai.com alhadith_hazro2006@yahoo.com